وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق
بكم عن سبيله (الانعام: ۱۵۳)

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو
کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی

عقیدہ کے موضوع پر علامہ ابن ابی زید القیروانی رحمہ اللہ کے مقدمہ پر مدینہ یونیورسٹی
کے سابق وائس چانسلر شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد کی عظیم الشان شرح
بنام قطف الجنی الدانی کا اردو ترجمہ بنام

بنیادی عقائد

ترجمہ وتقدیم

عبداللہ ناصر الرحمانی

مکتبہ عبداللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام

سلسلۃ احیاء منہج السلف ۹

وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق
بكم عن سبيله (الانعام: ۱۵۳)

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو
کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی

عقیدہ کے موضوع پر علامہ ابن ابی زید القیروانی رحمہ اللہ کے مقدمہ پر مدینہ یونیورسٹی
کے سابق وائس چانسلر شیخ عبد المحسن بن حمد العباد کی عظیم الشان شرح
بنام قطف الجنی الدانی کا اردو ترجمہ بنام

بنیادی عقائد

ترجمہ وتقدیم
عبد اللہ ناصر الرحمانی

مکتبہ عبد اللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام

نام کتاب : بنیادی عقائد (مقدمۃ فی العقیدۃ للقیروانی کی شرح کا اردو ترجمہ)

مولف : فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن حمد العباد (حفظہ اللہ)

صفحات : ۳۳۶

مترجم : فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی (حفظہ اللہ)

ناشر : مکتبہ عبداللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام

:: www.AsliAhleSunnet.com ::

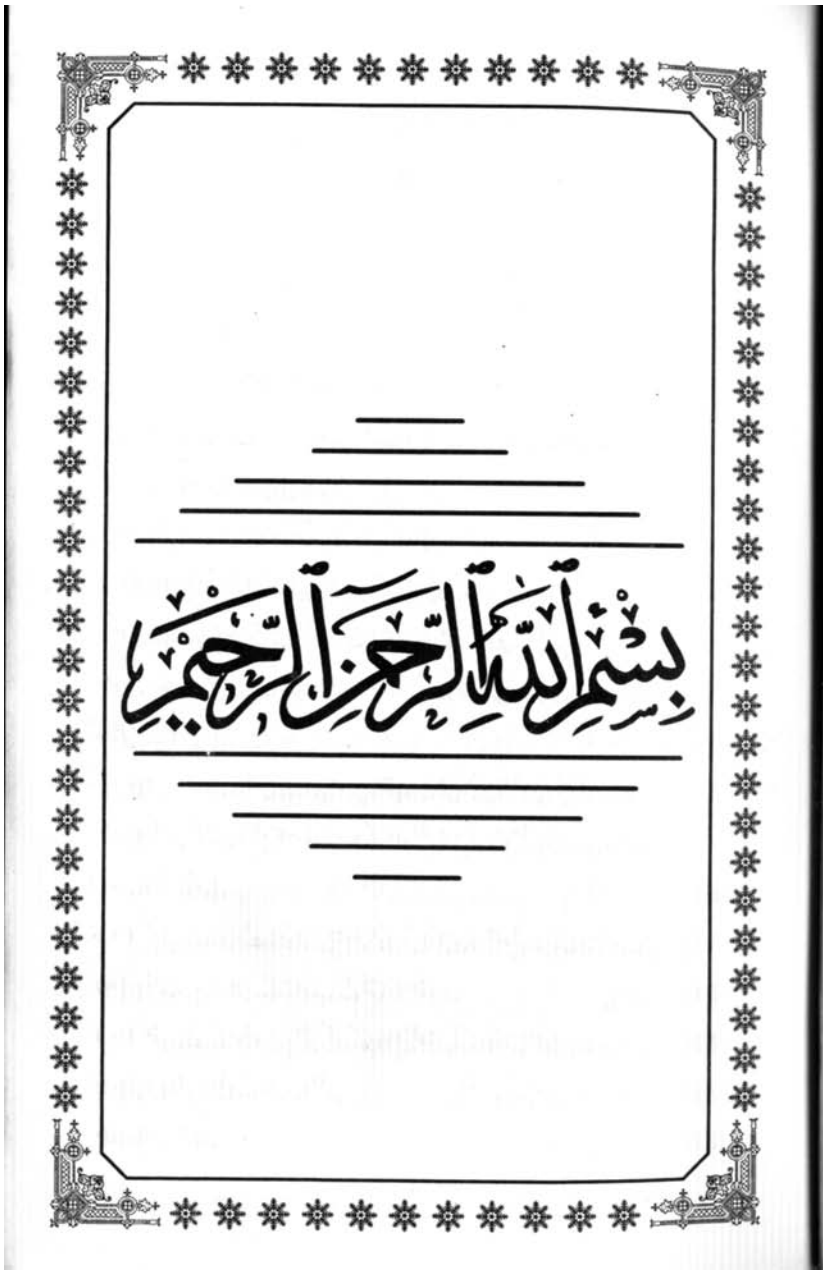
بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

مقدمہ از مترجم	10
مقدمہ از شارح	13
تعارف ابن ابی زید القیر وانی	21
شرح سے قبل چند اہم فوائد کا ذکر	23
(۱) عقیدہ کے باب میں أھل السنۃ والجماعۃ کا منہج یہ ہے کہ سلفِ صالحین کے فہم کے مطابق کتاب وسنت کی اتباع کی جائے.....	24
(۲) أھل السنۃ والجماعۃ کا دیگر گمراہ فرقوں کے مابین وسطیت واعتدال پر قائم رہنا۔	38
(۳) اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے مطابق ہے۔	45
(۴) صفاتِ باری تعالیٰ میں گفتگو ذاتِ باری تعالیٰ میں گفتگو کی فرع ہے.....	48
(۵) سلفِ صالحین اسماء وصفات میں نہ تو تاویل کے قائل تھے اور نہ ان کے معنی میں تفویض کے قائل تھے۔	49
(۶) مشبہ اور معطلہ دونوں نے اپنے اپنے عقیدے میں تمثیل وتعطیل کو جمع کر دیا ہے۔	51
(۷) بعض متکلمین کا علمِ کلام کی مذمت کرنا اور علمِ کلام کیساتھ تعلق کی وجہ سے حیرت وندامت کا اظہار کرنا۔	54
(۸) کیا یہ بات درست ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت اشعری مذہب پر قائم ہے؟	62
(۹) أئمہ اربعہ اور ان کے مذاہب کے فقہاء کا عقیدہ۔	64
(۱۰) عقیدے کے موضوع پر سلفی منہج کے مطابق تصنیف کردہ کتب کا بیان۔	71
ابن ابی زید القیر وانی کے مقدمہ کا متن	75
مقدمہ کا اردو ترجمہ	79

آغازِ شرح	85
اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اثبات، اور اللہ تعالیٰ سے سات چیزوں کی نفی۔	87
توحید کی تین اقسام اور ان کی تعریفات۔	88
سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الناس توحید کی مذکورہ تینوں اقسام پر مشتمل ہیں۔	89
توحید کی ان اقسام میں باہم نسبت۔	92
قبولیتِ اعمال کی دو شرطیں: اخلاص اور اتباعِ سنت۔	94
اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''الاول'' اور الآخر'' بھی ہیں۔	104
''اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنیوالے اسکی کسی صفت کی ماہیت وکیفیت تک نہیں پہنچ سکتے'' کی شرح۔	106
''تفکر کرنیوالے اللہ تعالیٰ کے کسی امر کا احاطہ نہیں کر سکتے'' کی شرح۔	108
''تفکر کرنیوالے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں'' کی شرح۔	108
''غور وفکر کرنیوالے، اللہ تعالیٰ کی ذات کی کیفیت وماہیت میں تفکر نہیں کرتے'' کی شرح	112
علمِ غیب اللہ کیلئے ہے، مخلوق صرف وہی کچھ جان سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ سکھائے۔	113
العلو، القدرۃ، السمع اور البصر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں۔	119
اللہ تعالیٰ کے بذاتہ اپنے عرش پر ہونے کا اثبات۔	124
اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ ''العلم'' کا اثبات اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شی پر حاوی ومحیط ہے۔	129
اللہ تعالیٰ کی صفت استواء علی العرش کا اثبات اور ان لوگوں پر رد جو استواء کی تأویل، استیلاء سے کرتے ہیں۔	134
اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا تعلق، اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب سے ہے جن پر ہمارے لئے کتاب وسنت کی وحی کے بغیر کلام کرنا جائز نہیں۔	140
اللہ تعالیٰ کے تمام نام حسنیٰ ہیں۔	140
اللہ تعالیٰ کے تمام نام مشتق ہیں۔	141

اللہ تعالیٰ کے نام متعین عدد میں محصور نہیں ہیں۔	143
اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کا بیان۔	145
اللہ تعالیٰ کے بعض ناموں کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے اور بعض کا نہیں۔	153
اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات ازلی وابدی ہیں۔	155
اللہ تعالیٰ کیلئے صفت کلام کا اثبات اور یہ کہ اس کلام کی کوئی انتہاء نہیں۔	157
ایمان بالقدر اور اس کے کتاب وسنت سے دلائل کا بیان۔	162
مراتبِ قدر: علم، کتابت، ارادہ اور خلق وایجاد۔	166
ایمان بالقدر کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے، تقدیر کا علم دو طریقوں سے حاصل ہوسکتا ہے	168
اس عالم ہستی میں جو بھی خیر وشر ہے، سب اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہے۔	169
لفظ ارادہ، معنی کونی وقدری کے ساتھ ساتھ معنی دینی وشرعی دونوں کیلئے مستعمل ہے۔	171
اللہ تعالیٰ نے جن امور کے فیصلے فرمادیئے اور انہیں لوحِ محفوظ میں لکھ دیا وہ بلاتغیر وتبدل رونما ہوکر رہیں گے۔	172
آیتِ کریمہ ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ﴾ کا معنی۔	173
حدیث شریف ''لا یرد القضاء إلا الدعاء.....الحدیث'' کا معنی۔	173
کسی شخص کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے چھوڑنے یا اللہ تعالیٰ کے کسی حرام امر کے ارتکاب کرنے کے سلسلے میں تقدیر کو بطورِ دلیل وحجت پیش کرے۔	175
حدیث احتجاج آدم علی موسیٰ کا معنی۔	176
افعالِ عباد، اللہ کی مخلوق ہیں، اور یہ بندوں کی مشیت سے واقع ہوتے ہیں، بندہ پر آسانی کی جاتی ہے اور اسے اختیار دیا گیا ہے۔	180
ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے حاصل ہوتی ہے	183
ہدایتِ ارشاد اور ہدایتِ توفیق میں فرق۔	184
اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت	

دینے کیلئے ان کی طرف کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے۔	187
تمام رسولوں پر ایمان لانا واجب ہے خواہ ان کا تذکرہ قرآن مجید میں ہو یا نہ ہو۔	188
نبی اور رسول میں فرق	191
ہمارے نبی محمد ﷺ کی رسالت کا بیان	194
امتِ محمدیہ کی دو قسمیں ہیں: امتِ دعوت، امتِ اجابت	196
قیامت پر ایمان اور یہ کہ قیامت قائم ہونے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔	201
لفظِ قیامت کا اطلاق اس موت پر ہوتا ہے جو صور میں پھونک کے وقت زندہ لوگوں کو حاصل ہوگی، اور بعث بعد الموت پر بھی ہوتا ہے۔	201
قرآن میں قیامت کا اثبات تین طریقوں سے۔	204
قیامت کے دن بندوں کا اٹھایا جانا دنیوی جسموں کے ساتھ ہوگا۔	209
وسائل بخشش	213
صغیرہ وکبیرہ گناہوں میں فرق	216
بندۂ مسلم کبیرہ گناہ سے توبہ کیئے بغیر اگر مرجائے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔	220
نافرمان مسلمانوں کا انجام	221
نافرمان مسلمان اگر اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوں گے تو ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے۔	222
جنت اور جہنم کا بیان	225
جنت اور جہنم پیدا کی جاچکی ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔	225
جنت اور جہنم کے اس وقت موجود ہونے کو تسلیم نہ کرنیوالوں پر رد۔	227
جنت اور جہنم دونوں ہمیشہ قائم رہیں گی، ان پر کبھی فناء نہیں آئے گا۔	230
آدم علیہ السلام کس جنت سے نکالے گئے تھے؟	233
قیامت کے دن مؤمنین کا اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا بیان۔	234

رؤیتِ باری تعالیٰ کے متعلق ایک اشکال اور اس کا جواب	235
میدانِ محشر کے حالات	237
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا فصلِ قضاء کیلئے آنے کا اثبات۔	237
بندوں کا اللہ تعالیٰ پر پیش کیا جانا اور اللہ تعالیٰ کا ان کا حساب لینا۔	239
وزنِ اعمال کا اثبات	242
پل صراط کا بیان	245
حوضِ کوثر کا بیان	247
ہمارے نبی ﷺ کے حوض کا بیان	247
حوضِ کوثر پر اہلِ بدعت کا ہیبت ناک انجام	249
روافض کی ہذیان گوئی	249
اس دور کے ایک گمراہ شخص کے صحابہ کے متعلق باطل نظریہ کا رد	250
ایمان کی تعریف وحقیقت	257
اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایمان کی تعریف	257
ایمان کی تعریف سے عمل کو خارج کرنیوالے دو گروہ کا بیان۔	259
ایمان نیکی کے کاموں سے بڑھتا ہے جبکہ معصیتوں کے ارتکاب سے گھٹتا ہے۔	260
اسلام اور ایمان میں فرق	262
اہل قبلہ میں سے کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہو جاتا۔	264
برزخی حیات	265
شہداء کی برزخی زندگی اور اس کی نعمتوں کا بیان	265
قبر میں مؤمنوں کو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور کافروں کو عذاب	266
قبر کا فتنہ اور امتحان	266
فرشتوں پر ایمان کی حقیقت	271

ملائکہ کی ایک بڑی تعداد انسانوں کی حفاظت اور ان کے اعمال کی کتابت پر متعین ہے۔	274
بعض ملائکہ کو قبضِ ارواح کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے۔	276
صحابۂ کرام کا بیان	278
صحابیٔ رسول کی تعریف	279
فضائلِ صحابہ کتاب وسنت سے	281
صحابہ میں سب سے افضل خلفاءِ راشدین ہیں	286
عدالتِ صحابہ پر اجماعِ امت کا ثبوت	288
صحابۂ کرام کے متعلق امت پر کیا واجب ہے	291
مسلمانوں کے حکام اور علماء کی اطاعت بھی ضروری ہے	302
منصبِ امارت یا حکومت پر فائز و متمکن ہونا کن امور سے ہوتا ہے	304
حکام کے ساتھ خیر خواہی	308
حکام کی اطاعت معروف میں ہے، معصیت میں نہیں	312
حکام کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا	316
سلف صالحین کے نقشِ قدم کی پیروی کا بیان	321
دین میں جھگڑے سے یکسر گریز کیا جائے	326
بدعات کو کلی طور پر ترک کرنے کا بیان	331

مقدمہ از مترجم

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین إمام المتقین وقدوۃ الکاملین وعلی آلہ وصحبہ وأھل طاعتہ أجمعین ،وبعد:

زیرِ نظر کتاب ہمارے ادارہ ''مکتبۃ عبد اللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام '' کی ایک انتہائی فخریہ پیشکش ہے، اس انتہائی اہم اور نافع کتاب کو پیش کرتے ہوئے اہم اپنے خالق ومالک کے سامنے اظہارِ شکر کیلئے سربسجود ہیں۔فنحمداللہ تعالیٰ ونشکرہ، فبنعمتہ وفضلہ سبحانہ وتعالیٰ تتم الصالحات.

یہ کتاب اصول وفروع کا ایک حسین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ ،تمام مسائل کو کتاب وسنت واقوالِ سلف صالحین کی روشنی میں پیش کرنے کا گرانقدر مجموعہ ہے۔

امام عبداللہ ابومحمد بن ابی زید القیر وانی، جن کا چوتھی صدی ہجری کے محدثین وفقہاء میں شمار ہوتا ہے نے''الرسالۃ'' کے نام سے ایک مبسوط کتاب تألیف فرمائی، اس کتاب پر ایک نہایت مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر فرمایا، جو اگرچہ چند سطور پر مشتمل ہے، مگر اس پر علوم ومعارف اور معانی ومطالب کا ایک بحرِ زخار موجزن ہے۔

یہ بات بالکل درست اور مبنی برحقیقت ہے کہ ابن ابی زید نے اصول وفروع کے حوالے سے ان چند سطور کے کوزے میں دریا بند کردیا ہے۔اس مختصر مقدمہ کو وقت کے عظیم محدث، سابق وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی، کتبِ کثیرہ ونافعہ کے مؤلف ،فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن بن حمد العباد حفظہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت نفیس اور لطیف شرح کے ساتھ مزین، منور اور معطر فرمادیا۔

شیخ موصوف ومحترم نے ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث کے دلائل کا انبار لگادیا ہے، نیز جابجا اقوالِ أئمہ سلف کے ذکر سے کتاب کی اہمیت وافادیت کو مزید بڑھا کر اس کے حسن میں چار چاند لگادیئے۔

شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد جو عصرِ حاضر میں منہجِ سلف صالحین اھل الحدیث کے امین ومحافظ تصور کیئے جاتے ہیں، تحریر وتقریر میں بڑے نمایاں اور منفرد مقام کے حامل ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ہمارے اس مؤقف کی پوری پوری تائید کرے گی۔ ہمارا یہ متواضع سا ادارہ جو اپنی تأسیس کا ایک سال مکمل کر چکا ہے، اس لحاظ سے انتہائی منفرد ومتمیز ہے کہ اس کے اہداف ومقاصد میں سرِ فہرست موضوع ''اہتمام بالعقیدۃ السلفیۃ'' ہے، ہماری اب تک نشر ہونے والی تمام کتب کا بنیادی موضوع عقیدہ ہی ہے، بالخصوص ''توحید اسماء وصفات'' کے حوالہ سے ہمارے ادارہ کی جھود انتہائی قابلِ قدر اور لائق تحسین وستائش ہیں۔ ''وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء''

قارئین کرام! اس قدر اہتمامِ عقیدہ سے ہمارا مقصود، لوگوں کو اس اہم موضوع سے روشناس کرانا ہے، کیونکہ عقیدہ، دینِ اسلام کی اساس ہے، قبولِ اعمال کا انحصار، اصلاحِ عقیدہ پر ہے (دیگر شرائط وقیود کی پابندی کے ساتھ ساتھ) بالخصوص آج کے پرفتن دور میں تو عقیدہ کی معرفت نہایت ہی مؤکد ومھم ہے، رسول اللہ ﷺ نے پرفتن دور میں ان لوگوں کو کامیاب اور فائز المرام قرار دیا ہے جو اس صافی منہج کو سینے سے لگائے بیٹھیں گے جسے اصحابِ رسول اللہ نے پوری زندگی تھامے رکھا ''المتمسک یومئذ بما أنتم علیه له أجر خمسین رجلا'' گویا یہ کام، مٹھی میں آگ کا انگارہ دبانے کے مترادف ہے، لہذا علم وعمل اور بالخصوص عقیدے کی معرفت نہایت ہی اہم اور ضروری امر ہے، ورنہ بمصداقِ حدیثِ رسول ﷺ: [یصبح الرجل فیها مؤمنا ویمسی کافرا ویمسی مؤمنا ویصبح کافرا، یبیع دینه بعرض من الدنیا]

نہایت ہی خطرناک تلوار ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے، یعنی پرفتن دور میں انسان صبح کو مؤمن، شام کو کافر، اور شام کو مؤمن اور صبح کو کافر بن جائے گا، دنیا کے معمولی مال، اور گھٹیا عہدوں کی خاطر اپنا دین بیچ ڈالے گا۔

مخرج یہی ہے کہ بندہ علم، عمل، عقیدہ اور خُلق میں پہاڑ جیسی صلابت واستقامت پر قائم

ہوجائے ،اور کتاب وسنت اور منہج أصحاب رسول ﷺ وسلفِ صالحین کو سینے سے چمٹا رکھے "ماأناعليه اليوم وأصحابی"

[تركت فيكم ما إن اعتصمتم به لن تضلوا أبدا كتاب الله وسنة رسوله] والتوفيق بيدالله تعالیٰ.

کتاب ھذا عقیدہ کے اہم مسائل پر مشتمل ہے،اس کی تیاری میں جن احباب نے حصہ لیا سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں نیز اضافہ علم وعمل کیلئے دعا گو ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کو اپنی رضاء کیلئے خالص بنادے،اس کتاب کا نفع عام بنادے،میرے والدین اور جملہ اساتذہ کرام کی مغفرت فرمادے۔

اس متواضع سی نیکی کو میرے لئے ذخیرہ آخرت بنادے، إنه سميع قريب مجيب للدعوات ،وصلى الله على نبيه محمد و على آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين.

وكتب ذلك/عبداللہ ناصر الرحمانی

مدیر:مکتبة عبدالله بن سلام لترجمة كتب الاسلام

مقدمہ از شارح

الحمدلله رب العالمين ،الرحمن الرحيم، مالک يوم الدين، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له، إله الأولين والآخرين،وقيوم السموات والأرضين، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، سيد المرسلين، وإمام المتقين، وقائد الغرالمحجلين، المبعوث رحمة للعالمين، صلى الله وسلم وبارک عليه، وعلى آله الطيبين الطاهرين، وعلى من اتبعهم بإحسان وسار على نهجهم إلى يوم الدين.

أما بعد:

تمام تعریفیں، اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے، روزِ جزاء کا مالک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، تمام اولین وآخرین کا وہی معبود ہے، اور آسمانوں اور زمینوں کے نظام کو وہی سنبھالنے والا ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اسی کے بندے اور رسول ہیں، تمام رسولوں کے سردار ہیں، تمام متقین کے امام ہیں، اس اُمت کے رہبر ورہنما ہیں، جن کے اعضاءِ وضوء قیامت کے دن چمک رہے ہونگے، جو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی پاکیزہ آل پر، اور صحابۂ کرام جیسی مثالی اور مبارک جماعت پر، اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے، اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کرام ذریعے اپنے دین کو حفاظت اور ظہور وغلبہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر بھی اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے جو اچھے طریقے سے صحابہ کرام کی اتباع کرتے رہیں اور ان کے منہج کی پیروی کرتے رہیں، قیامت کے قائم ہونے تک۔

امابعد:

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی (کئی اعتبار سے) ایک ممتاز اور نرالی شان ہے۔

(۱) یہ نہایت صاف ستھرا اور بالکل واضح عقیدہ ہے۔

(۲) اس میں ابہام یا پیچیدگی کا کوئی شائبہ تک نہیں۔

(۳) یہ مبارک عقیدہ، نصوصِ وحی یعنی قرآن وحدیث سے مستمد وماٰخوذ ہے۔

(۴) سلف صالحین، اسی عقیدہ پر قائم تھے۔

(۵) یہ عقیدہ، فطرت کے عین مطابق ہے۔

(۶) عقلِ سلیم جو شبہات کے امراض سے پاک ہو، بھی اسی عقیدہ کو قبول کرتی ہے۔

دوسرے تمام عقائد، شخصیات کی آراء اور متکلمین کے اقوال سے ماٰخوذ ہونے کی بناء پر، اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ سے یکسر مختلف ہیں۔ ان میں بُری طرح سے ابہام، پیچیدگی، خبط اور خلط ہے۔ بھلا یہ فرق کیوں نہ ہو؟ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جبریل امین کے واسطہ سے، رسولِ اکرم ﷺ پر اترا، اور دیگر تمام عقائد ان مبتدعین کی اختراع ہیں جو زمین سے نکلے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر پانی کے قطرہ سے پیدا کیا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ نبی ﷺ کی بعثت اور نزولِ وحی کے ساتھ ہی شروع اور ظاہر ہوا، جس پر نبی ﷺ اور آپ کے اصحابِ کرام قائم رہے، نیز وہ سب لوگ قائم ہیں جو منہجِ اصحاب رسول ﷺ کے پیروکار ہیں۔

دوسرے تمام عقائد کا، زمانہ نبوت میں کوئی وجود نہیں تھا، صحابۂ کرام میں سے بھی کسی نے انہیں اختیار نہ کیا، بلکہ ان عقائد کے حاملین میں سے کچھ لوگ، دورِ صحابہ میں پیدا ہوئے تھے، مگر اکثر ان کے مبارک دور کے ختم ہونے کے بعد پیدا ہوئے، لہٰذا یہ سارے عقائد، محدثاتِ امور میں سے ہیں، (جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بدعت کہا،) اور ان سے پوری زندگی ڈراتے رہے۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: [وایاکم ومحدثات الامور ؛فإن کل محدثة بدعة، وکل بدعة ضلالة] یعنی: [تم نئے نئے امور سے بچو؛ کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر

بدعت گمراہی ہے]

(متکلمین کے عقائد اگر حق ہیں تو) یہ بات نہ تو معقول ہے، اور نہ کسی صورت قابلِ قبول کہ حق، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی پاکیزہ جماعت سے مخفی اور اوجھل ہو اور ان لوگوں کو حاصل ہو جائے جو صحابۂ کرام کے مبارک زمانہ کے بعد آئے۔

لہذا ان عقائد میں اگر کوئی بھی خیر کا پہلو ہوتا تو سب سے پہلے یہ صحابۂ کرام کو نصیب ہوتے، لیکن چونکہ یہ عقائد سراسر شر ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو ان سے محفوظ رکھا اور بعد میں آنے والوں کو مبتلا فرما دیا۔

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ جو نورِ وحی سے ماخوذ ہے، اور متکلمین کے عقائد جن کا مبنیٰ لوگوں کی آراء وعقول ہیں، کے درمیان وہی فرق ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے بیچ۔

یہ بالکل وہی بات ہے جو شریعت کے حوالہ سے کی جاتی ہے، یعنی شریعتِ اسلامیہ جو انتہائی رفیع القدر اور منزل من اللہ ہے، اور ان گھٹیا وضعی قوانین ودساتیر کہ جنہیں انسانوں نے بنایا، کے مابین وہی فرق ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان۔

﴿ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، یقین رکھنے والے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟'' (المائدۃ:۵۰)

اکثر لوگوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا کہ عقیدہ اور شریعت کے تعلق سے اس انتہائی واضح اور روشن حقیقت سے غافل ہیں، وہ انتہائی بہتر چیز کے بدلے، انتہائی ردی اور گھٹیا چیز خریدے بیٹھے ہیں۔

اے اللہ! جو مسلمان راہِ راست سے گمراہ ہو گئے انہیں سلامتی کے راستے پر چلا دے، انہیں ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف پھیر دے، بلاشبہ تو سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

علماءِ سنت نے، قدیم وجدید، ہر دور میں ایسی کتب تالیف فرمائی ہیں، جو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی بہترین توضیح شمار ہوتی ہیں، کچھ مختصر، کچھ مطول۔

مختصر کتب میں، امام ابنِ ابی زید القیر وانی المالکی رحمہ اللہ کا اپنے رسالہ پر لگایا ہوا ایک مقدمہ ہے جو سلف صالحین کے منہج کے عین مطابق، مختصر اور مفید ہے، یہ مقدمہ اصول وفروع کا ایک حسین مرقع ہے، جبکہ اصول وفروع کا ایک ہی کتاب میں جمع ہونا، تالیفی دنیا میں ایک نادر چیز ہے، اس لحاظ سے یہ مقدمہ ایک بہترین تحفہ ہے جو اس شخص کو کہ جو عبادات ومعاملات کی فقہ میں مشغول ہے، فقہ اکبر یعنی عقائدِ سلف صالحین سے روشناس کراتا ہے۔

یہ مقدمہ اپنے اختصار اور قلتِ الفاظ کے باوجود عقیدۂ سلف صالحین جو عین مطابقِ فطرت ہے اور کتاب وسنت کے نصوص پر مبنی ہے، کو بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

یہ مختصر رسالہ اس مشہور مقولہ کی عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے: ''سلف صالحین کا کلام لفظوں میں کم لیکن برکت میں بہت زیادہ ہوتا ہے، جبکہ متکلمین کا کلام لفظوں میں بہت زیادہ مگر برکت میں بہت تھوڑا ہوتا ہے۔''

مثال کے طور پر اس مقدمہ کا آغاز اللہ تعالیٰ سے چند امور کی نفی جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کیلئے اثباتِ کمال کو متضمن ہے، کے ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ ابنِ ابی زید اپنے مقدمہ کے آغاز میں فرماتے ہیں: ''إن الله إلٰه واحد لاإلٰه غيره، ولا شبيه له، ولانظير له، ولاولدله، ولاوالد له، ولاصاحبة له ،ولاشريک له''

یعنی: ''اللہ تعالیٰ معبودِ حق ہے، اکیلا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شبیہ اور نظیر نہیں ہے، نہ ہی اس کی اولاد ہے نہ والد، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ ہی کوئی شریک''

اس عبارت میں اللہ تعالیٰ سے جن امور کی نفی مذکور ہے، وہ سب کے سب کتاب وسنت کے نصوص سے مستمد وماٰخوذ ہیں۔

اب ذرا متکلمین کا کلام ملاحظہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کس کس چیز کی نفی کرتے ہیں، آپ کو دکھائی دے گا کہ ان کا کلام تکلف پر مبنی اور ابہام وغموض کے ساتھ متصف ہے، چنانچہ ''عقائدِ نسفیہ'' کا مؤلف، اللہ تعالیٰ سے بعض امور کی نفی کرتے ہوئے کہتا ہے: ''لیس بعرض ،ولا جسم، ولا جوهر ،ولا مصور، ولا محدود ،ولا معدود، ولا متبعض، ولا متجز، ولا متر کب، ولا متناه''

اللہ تعالیٰ سے ان منفی امور کی کتاب وسنت میں کوئی نص وارد نہیں، اور یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں جس صفت کی وحی سے دلیل موجود نہ ہو، اس میں سکوت اختیار کیا جائے، اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کے ساتھ متصف ہے اور ہر نقص وعیب سے منزہ ہے۔

پھر ان سلبی اور منفی صفات کو عوام الناس بالکل نہیں سمجھ پاتے، نہ ہی یہ باتیں ان کی سادہ فطرت سے مطابقت رکھتی ہیں، یہ تو متکلمین کا تکلف ہے، جس میں ابہام وغموض کے ساتھ ساتھ حق وباطل کا اختلاط بھی ہے، ہم بطورِ اشارہ ایک ہی نکتہ سے اپنی اس بات کی وضاحت کرتے ہیں:

مذکورہ عبارت میں اللہ تعالیٰ کے جسم کی نفی ہے، جس کے معنی میں دو احتمال ہیں:

چنانچہ اگر جسم سے ایسی ذات مراد ہو جو مخلوقات کے مشابہ ہو تو یہ احتمال لفظاً ومعنیً باطل اور مردود ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱) اور اگر جسم سے وہ ذات مراد ہے جو قائم بنفسھا ہے، جو تمام مخلوقات سے مباین یعنی جدا ہے اور جو تمام صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، تو یہ معنیٰ حق ہے جس کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنا جائز نہیں ہے، لیکن ''جسم'' کے لفظ کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ لفظ، معنیٰ حق اور معنیٰ باطل دونوں پر مشتمل ہے۔ (لہذا ایسا لفظ جس میں معنیٰ حق کے ساتھ ساتھ معنیٰ باطل کے پائے جانے کا احتمال ہو، اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہوسکتا، البتہ اس لفظ میں پایا جانے والا معنیٰ حق، اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہوگا اور معنیٰ باطل منتفی ومردود ہوگا)

آپ عنقریب امام مقریزی کا کلام ملاحظہ فرمائیں گے، جس میں وہ صحابہ کرام کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''اسی طرح صحابۂ کرام نے ان تمام الفاظ وصفات کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ کریمہ کیلئے ثابت کیئے، ثابت وبرقرار رکھے۔ مثلاً: الوجہ (چہر) اور الید (ہاتھ) وغیرہ

اوران صفات کا اثبات کرتے ہوئے انہوں نے خالق کی مخلوق سے مشابہت ومماثلت کی مکمل نفی کی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے صفاتِ ثبوتیہ کا اس طرح اثبات کیا کہ وہ اثبات ہر طرح کی تشبیہ سے پاک تھا، اور صفاتِ نقص کی اس طرح نفی وتنزیہ کی وہ تنزیہ تعطیل سے پاک تھی۔

صحابۂ کرام میں سے کسی ایک شخص نے بھی صفاتِ باری تعالیٰ میں سے کسی ایک صفت کی تاویل کرنے کا تعرض وتکلف نہیں کیا، بلکہ وہ تمام اس عقیدہ پر متفق ومجتمع تھے کہ ان صفات کو جس طرح وارد ہوئی ہیں، اسی طرح ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کیلئے ان کا مستدل کتاب اللہ کے سوا اور کچھ نہ تھا..... وہ علمِ کلام کی الجھنوں اور فلسفہ کی موشگافیوں سے قطعی ناواقف تھے۔''

اسی طرح آپ آئندہ صفحات میں ابومظفر السمعانی کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں گے، وہ منہجِ متکلمین کا ابطال وافساد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تبلیغِ دین کے مشن پر مأمور کیا ہے، اور سب سے مؤکد ومحکم چیز جسے پہنچادینے کا حکم ہے وہ عقیدۂ توحید ہے، بلکہ توحید تو اصلِ دین اور اساسِ دین ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے امورِ دین کے تمام اصول، قواعد اور شرائع ایک نکتہ چھپائے بغیر بیان فرمادیئے، پورے دین میں یہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے متکلمین کے نظریات یعنی جوہر وعرض سے استدلال کی دعوت دی ہو، بلکہ آپ ﷺ سے اور آپ کے صحابہ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی ثابت نہیں..... جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ متکلمین ایک ایسی راہ پر چل

نکلے ہیں کہ جو نبی ﷺ اور صحابۂ کرام کی راہ سے یکسر مخالف ہے، اور اس مخالف راہ پر چلنے کیلئے انہوں نے جن اصول وقواعد کا سہارا لیا ہے وہ بالکل نئے اور انکے اپنے اختراع کردہ ہیں۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اپنی اس باطل راہ پر چل نکلنے کے بعد انہوں نے سلفِ کو اپنی قدح وطعن کا نشانہ بنالیا، انہیں قلتِ علم ومعرفت کا الزام دیا اور ان کے طریق کو مشتبہ قرار دے دیا۔

ہم تمام لوگوں کو متکلمین کے کلام ومقالات سے بچنے اور دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں ان کی تمام گفتگو کا مبنیٰ ریت کی دیوار کے سوا کچھ بھی نہیں، جبکہ انکے مقالات آپس میں ہی متضادات ومتناقض ہیں۔''

ابو مظفر السمعانی کا یہ کلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی شرح، فتح الباری میں ''باب قول اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ'' کے تحت نقل فرمایا ہے، اس کے بعد حسن بصری کا یہ قول بھی ذکر فرمایا: ''لو كان مايقول الجعد حقا لبلغه النبی ﷺ'' یعنی: ''عقائد میں جو باتیں جعد (بن درھم) کرتا ہے، اگر وہ حق ہوتیں تو نبی ﷺ یقیناً بیان فرماتے'' (فتح الباری: (۱۳/۵۰۴)

واضح ہو کہ فرقۂ جہمیہ اگر چہ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے، لیکن اس کا اصل بانی اور مؤسس جعد بن درھم ہی ہے؛ کیونکہ سب سے پہلے اس باطل مذہب کا نشر واظہار اسی نے کیا۔

اور میں حسن بصری رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی بنیاد پر یہ کہتا ہوں: آج اشاعرہ اور دیگر متکلمین صفاتِ باری تعالیٰ کے بارہ میں جو کلام کرتے ہیں اگر وہ حق ہے تو نبی ﷺ بھی یقیناً وہ باتیں اپنی امت کا بتاتے۔

میں نے ابن ابی زید کے اس مقدمہ کی ایسی شرح لکھنے کا فیصلہ کرلیا جو اس کی چمک دمک میں مزید اضافہ کردے اور اس کے مضامین ومشمولات کی مزید تفصیل کردے۔ شرح سے قبل میں نے بطورِ تمہید، عقیدۂ سلف کے حوالے سے دس فوائد کا ذکر کیا ہے۔

اس مقدمہ کو شیخ احمد بن مشرف الاحسائی المالکی المتوفی ۱۲۸۵ نے بڑے عمدہ اسلوب سے نظم کردیا تھا، میں نے شرح سے قبل، مقدمہ کی مکمل عبارت، مذکورہ نظم کے ساتھ شاملِ اشاعت کردی ہے۔ میں نے اس شرح کا نام ''قطف الجنی الدانی شرح مقدمة رسالة ابن ابی زید القیروانی'' رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ میری اس شرح کو، اصل رسالہ کی طرح نافع اور فائدہ مند بنادے، تمام مسلمانوں کو دین میں تفقہ کی توفیق عطا فرمادے، نیز عقیدہ وعمل میں انہیں سلف صالحین کے منہج پر قائم ودائم رکھے۔ مجھے ہر قسم کی لغزش سے سلامتی عطا فرمادے، گفتگو میں صدق اور عمل میں اخلاص جیسی نعمتوں سے مالا مال فرمادے، بے شک وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

وصلى الله وسلم وبارك على عبده ورسوله نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين .

مؤلف ابن ابی زید القیر وانی کے مختصر حالاتِ زندگی

آپ کا نام عبداللہ، اور کنیت ابو محمد ہے، ابو زید ان کے والد کی کنیت ہے، جن کا اصل نام عبدالرحمٰن تھا، ، قیروان ان کا مولد مسکن تھا، اپنے وقت میں، مالکی مذہب کے امام اور قدوۃ شمار ہوتے تھے، انہوں نے امام مالک کی فقہ کو نہ صرف جمع کیا بلکہ بڑے عمدہ پیرائے میں اس کی تشریح بھی کی، ان کا علم انتہائی وسیع اور حفظ وروایت میں کثرت مثالی تھی، ان کی تصنیفات اس پر شاہدِ عدل ہیں، تحریر وتقریر میں فصاحت نمایاں تھی، جب گفتگو فرماتے تو علم ومعرفت کے خزانے لٹادیتے، اہلِ بدعت کا رد کرنا بخوبی جانتے تھے۔ عمدہ قسم کے اشعار بھی کہا کرتے تھے۔

ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ استقامت، ورع، عفت اور تقویٰ کے بڑے اُعلیٰ مقام پر فائز تھے، گویا دین ودنیا کی سعادت ورِیاست کو سمیٹ رکھا تھا۔

علم وعرفان کے پیاسے، مختلف شہروں اور بستیوں سے دور دراز کا سفر کر کے آپ تک پہنچتے، آپ کے شاگردوں کی بڑی لمبی فہرست ہے، جو سب کے سب آپ سے خوب محبت رکھتے تھے، آپ کے دور کے اکابر علماء آپ کی قدر ومنزلت پہنچانتے تھے، آپ ''مالک الصغیر ''یعنی ''چھوٹے مالک'' کے لقب سے معروف تھے۔

امام قابسي آپ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

وہ امام تھے، اور دین اور روایتِ حدیث میں انتہائی ثقہ تھے۔ علم، ورع، فضل اور عقلِ راسخ، یہ تمام خوبیاں آپ کی ذات میں مجتمع تھیں، آپ کی شخصیت ان تمام امور میں شہرت کی بناء پر کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

آپ رجوع إلی الحق اور انقیاد للحق کیلئے ہمیشہ مستعد اور تیار رہتے، اپنے شہر کے فقہاء ومشائخ سے تفقہ اور سماعِ حدیث سے فیضیاب ہوتے، طلبِ علم میں زیادہ تر انحصار واعتماد ابوبکر بن اللباد اور ابوالفضل القيسي پر فرمایا۔

جبکہ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے فقہ وحدیث میں استفادہ کیا۔آپ کا سنِ وفات ۳۸۶ھ ہے۔

آپ کی مشہور مؤلفات میں ''کتاب النوادر ''اور''الزیادات علی المدونة ''ہیں،یہ کتاب ایک سو اجزاء سے زائد ہے،اس کے علاوہ'' مختصر المدونة''بھی آپ کی مشہور کتاب ہے،آخرالذکر دونوں کتابیں فقہ مالکی میں معتمد بہ شمار ہوتی ہیں۔آپ کی کتب کی مکمل فہرست''الدیباج المذهب لابن فرحون المالکی ''(ص:۱۳۶تا۱۳۸)میں ملاحظہ فرمائیے،یہ مختصر حالات بھی اسی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

امام ذھبی نے''سیر أعلام النبلاء ''(۱۰/۱۷)میں آپ کے ترجمہ کے آغاز میں آپ کے متعلق فرمایاہے:''الامام العلامة ،القدوة الفقیه عالم أهل العرب''

جبکہ آپ کے ترجمہ کے آخر میں فرمایاہے''اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے،آپ عقیدہ میں سلف صالحین کے منہج پر قائم تھے،علمِ کلام کو کچھ نہ جانتے،نہ ہی تاویل کی باطل روش اپناتے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق وہدایت کا سوال کرتے ہیں۔

چند اہم فوائد کا ذکر

فوائد بین یدی الشرح

شرح سے قبل چند اہم فوائد کا ذکر

پہلا فائدہ:

عقیدہ کے باب میں اُھل السنۃ والجماعۃ کا منہج یہ ہے کہ سلفِ صالحین کے فہم کے مطابق کتاب وسنت کی اتباع کی جائے، واضح ہو کہ اُھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی دلیل پر مبنی ہے، جبکہ اس دلیل کا فہم اُصحابِ رسول اللہ ﷺ کے فہم کے مطابق ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (الاعراف:۳)

ترجمہ: ''تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (الانعام:۱۵۳)

ترجمہ: ''اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پہ چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

اور فرمایا: ﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۳۸)

ترجمہ: ''تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف وغم نہیں''

اورفرمایا: ﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَایَضِلُّ وَلَایَشْقٰی ﴾ (طٰہٰ:۱۲۳)

ترجمہ: ''جومیری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا''

اورفرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَامُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾

(الاحزاب:۳۶)

ترجمہ: (اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اسکے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد (رکھو) اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑے گا)

نیز فرمایا: ﴿ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (الحشر:۷)

ترجمہ: ''تمہیں جو کچھ رسول دے، لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ''

نیز فرمایا: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (النور:۶۳)

ترجمہ: ''جولوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے''

حدیثِ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فانه من يعش منكم بعد فسير ى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء المهد يين الراشدين تمسكوا بها، و عضوا عليها با لنواجذ ،وايا كم ومحد ثا ت الامور ، فان كل محد ثة بد عة ، و كل بد عة ضلالة]

ترجمہ: [میرے بعد زندہ رہنے والا شخص بہت اختلافات دیکھے گا، تو اس وقت تم لوگ میری سنت اور خلفاءِ راشدین کی سنت کے ساتھ چمٹ جانا، اسے مضبوطی سے تھام لینا اور داڑھوں میں

دبالینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے] (اسے ابوداؤد (۴۶۰۷) اور ترمذی (۲۶۷۶) نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے)

صحیح بخاری (۷۲۸۰) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[كل أمتي يدخلون الجنة الا من أبى، قالوا: يا رسول الله! ومن يأبى ؟ قال: من أطاعني دخل الجنة ،ومن عصاني فقد أبى]

ترجمہ:[میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی علاوہ اس شخص کے جس نے جنت میں داخل ہونے سے خود انکار کر دیا ہو، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا]

صحیح مسلم (۷۶۷) میں جابر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے:[أما بعد، فان خير الحديث كتاب الله،وخير الهدى هدى محمد، وشر الأمور محدثاتها،وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: [بے شک سب سے بہترین حدیث کتاب اللہ ہے، اور سب سے بہترین ہدایت اور طریقہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، اور سب سے بدترین امر وہ ہے جو نیا ہو، اور ہر بدعت گمراہی ہے]

صحیح بخاری (۱۵۹۷) اور صحیح مسلم (۱۲۷۰) میں عابس بن ربیعۃ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کے پاس آئے اسے بوسہ دیا اور فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو کسی نقصان یا نفع کا اختیار نہیں رکھتے، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

صحیح بخاری (۲۶۹۷) اور صحیح مسلم (۱۷۱۸) میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی

ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [من أحدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد]

ترجمہ: [جو بھی شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز شامل کرے گا جو دین میں نہ ہو تو وہ مردود ہے]

صحیح مسلم میں یہ لفظ بھی منقول ہیں: [من عمل عملا لیس علیه أمرنا فهو رد]

ترجمہ: [جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا اُمر (موافقت) نہ ہو تو وہ مردود ہے]

صحیح مسلم کی اس روایت میں زیادہ عموم ہے، کیونکہ پہلی روایت محدِث یعنی بدعت ایجاد کرنے والے کے ساتھ مخصوص ہے، جبکہ دوسری حدیث عام ہے، اس کا اطلاق اس شخص پر بھی ہو رہا ہے جو خود کوئی نیا عمل ایجاد کرے اور اس شخص پر بھی جو نیا عمل ایجاد کرنے والے کی تابعداری کرے۔

مسند احمد (۱۶۹۳۷) اور سنن ابی داؤد (۴۵۹۷) میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (اور یہ الفاظ مسند احمد کے ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إن أهل الكتابين افترقوا في دينهم على ثنتين وسبعين ملة، وان هذه الأمة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة يعني الأهواء، كلها في النار الا واحدة، وهي الجماعة]

ترجمہ: [یہود و نصاری اپنے دین کے اندر بہتر فرقوں میں بٹ گئے، اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹے گی (''الأهواء'' یعنی خواہشِ نفس کا شکار ہوگی) سب فرقے جہنم میں جائیں گے، ایک کے سوا، اور وہ ''الجماعة'' ہے] (اس حدیث کی تخریج اور شواہد الأرنؤط کے مسند احمد کے حاشیہ میں اس حدیث کے تحت انکی تعلیق پر ملاحظہ کیجئے۔)

صحیح بخاری (۵۰۶۳) اور صحیح مسلم (۱۴۰۱) میں جنابِ انس رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے:

[فمن رغب عن سنتي فليس مني]

ترجمہ:[جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں]

واضح ہو کہ اُھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کتاب وسنت کی دلیل پر مبنی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معتقدات کا تعلق علمِ غیب سے ہے، اور علمِ غیب کی معرفت وحی یعنی قرآن وحدیث کے بغیر ممکن نہیں، اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں جو کچھ وارد اور ثابت ہے، عقلِ سلیم اس کی پوری طرح موافقت کرتی ہے، اور کسی طرح کی کوئی مخالفت نہیں کرتی، اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بڑی جامع کتاب جس کا نام ''د ء تعا رض العقل و النقل'' کا مطالعہ کیجئے۔

کتاب وسنت کے نصوص کو سمجھنے کیلئے معتمد علیہ، صحابۂ کرام ہیں، نیز ان کی طرف سے ملنے والا فہم صائب، فکر سدید اور علم نافع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں ان تک اللہ تعالیٰ کا جو خطاب پہنچا ان کے معانی ومطالب وہ خوب سمجھ چکے تھے، کیونکہ قرآن حدیث انہی کی زبان میں اترے تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ ان صفات کی کیفیت کا علم بھی اللہ کے سپرد کرنا ضروری تھا، کیونکہ صفات کی کیفیات کا تعلق بھی علمِ غیب سے ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

امام مالک رحمہ کا ایک قول صفات کی کیفیات کے تعلق سے اس منہجِ صحیحہ کی خوب عکاسی کرتا ہے، چنانچہ ایک مجلس میں ان سے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت کی بابت پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، لیکن مستوی ہونے کی کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان لانا واجب ہے، اور کیفیت کا سوال بدعت ہے''

شیخ ابو العباس احمد بن علی المقریزی (المتوفی ۸۴۵ھ) نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے صحابۂ کرام کے منہج کی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ اپنی کتاب ''المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار'' (۳۵۶/۲) میں فرماتے ہیں: (عقائدِ اہلِ اسلام کی حالت کا ذکر، ملتِ اسلام کی ابتداء سے لیکر مذہب اشاعرہ کے پھیلنے تک)

''اللہ تعالیٰ نے جب اہلِ عرب میں سے اپنے نبی ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا بھیجا، تو انہوں نے رب سبحانہ وتعالیٰ کی صفات، جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں کہ جسے روح الامین آپ کے قلب پر لیکر نازل ہوا تھا، بیان فرمائی تھیں لوگوں کو بتلائیں، نیز وہ صفات بھی لوگوں کو بتلائیں جو بذریعہ (وحی خفی) اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی تھیں۔ تمام اہلِ عرب خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی، نے ان صفات کو سنا لیکن کسی صفت کے معنی کا نبی ﷺ سے سوال نہیں کیا، جیسا کہ ان کا دیگر مسائل مثلاً: نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں جو اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی ہیں، کی بابت نبی ﷺ سے سوال کرنا وارد ومنقول ہے، اور جیسا کہ انہوں نے احوالِ قیامت اور جنت وجہنم کے بارہ میں سوالات کیئے..... چنانچہ اگر کسی صحابی نے نبی ﷺ سے صفاتِ الٰہیہ کے معنی کے متعلق سوال کیئے ہوتے تو وہ یقیناً منقول ہوتے اور نبی ﷺ کے جوابات بھی ثابت ہوتے، جیسا کہ احکامِ حلال وحرام، ترغیب وترھیب، احوالِ قیامت اور فتن وملاحم وغیرہ کے سلسلہ میں ان کے سوالات واستفسارات اور نبی ﷺ کے جوابات کے تعلق سے بہت سی احادیث وارد ہیں، جو کتبِ حدیث: معاجم، مسانید، اور جوامع کے اندر موجود ومحفوظ ہیں۔

احادیثِ رسول پر مشتمل دفاتر، اور سلفِ صالحین سے منقول آثار پر گہری نگاہ رکھنے والا اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ کسی صحیح یا ضعیف سند سے، کسی ایک صحابی سے یہ بات ثابت نہیں کہ اس نے نبی ﷺ سے، رب تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں قرآن وحدیث میں وارد صفات میں سے کسی صفت کے معنی کا سوال کیا ہو، حالانکہ صحابۂ کرام کے طبقات بھی متنوع تھے اور تعداد بھی کثیر تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ان صفات کا ظاہری معنی سمجھا اور ان پر کلام سے گریز کیا، اور سکوت اختیار کیا۔ بلکہ صحابۂ کرام نے تو صفاتِ باری تعالیٰ میں صفاتِ ذات اور صفاتِ فعل کی تقسیم وتفریق بھی نہیں کی، انہوں نے تو تمام صفات کو صفاتِ ازلیہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت رکھا۔ مثلاً: صفتِ علم، قدرت، حیاۃ، ارادہ، سمع، بصر، کلام، الجلال، الاکرام،

الجود (سخاوت)، انعام ،العزۃ اور العظمۃ وغیرہ ان تمام صفات کے بارہ میں ان کا ایک ہی سیاقِ کلام تھا۔

اسی طرح صحابۂ کرام نے ان تمام الفاظ وصفات کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ کریمہ کیلئے ثابت کیئے، ثابت وبرقرار رکھے۔ مثلاً: الوجہ (چہرہ) اور الید (ہاتھ) وغیرہ

اور ان صفات کا اثبات کرتے ہوئے انہوں نے خالق کی مخلوق سے مشابہت ومماثلت کی مکمل نفی کی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے صفاتِ ثبوتیہ کا اس طرح اثبات کیا کہ وہ اثبات ہر طرح کی تشبیہ سے پاک تھا، اور صفاتِ نقص کی اس طرح نفی وتنزیہ کی وہ تنزیہ تعطیل سے پاک تھی۔

صحابۂ کرام میں سے کسی ایک شخص نے بھی صفاتِ باری تعالیٰ میں سے کسی ایک صفت کی تاویل کرنے کا تعرض وتکلف نہیں کیا، بلکہ وہ تمام اس عقیدہ پر متفق ومجتمع تھے کہ ان صفات کو جس طرح وارد ہوئی ہیں، اسی طرح ان کے ظاہر پر معمول کیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کیلئے ان کا مستدل کتاب اللہ کے سوی اور کچھ نہ تھا..... وہ علمِ کلام کی الجھنوں اور فلسفہ کی موشگافیوں سے قطعی ناواقف تھے۔

صحابۂ کرام کا دور اس پاکیزہ منہج پر گزرا، حتی کہ انکے آخری دور میں فرقۂ قدریہ ظہور میں آیا، جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی کوئی تقدیر نہیں بنائی، بلکہ سارا معاملہ ''اُنف'' (نیا) ہے۔''

مقریزی نے جو کچھ بتایا واقعۂ مختلف فرقوں کے ظہور سے قبل صحابۂ کرام کا یہی منہجِ صافی تھا، اور حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ جو قریب ہی گزری ہے میں رسول اللہ ﷺ نے اسی اختلاف کے ظاہر ہونے کی خبر دی اور اس حوالے سے رہنمائی بھی فرمادی۔ حدیث کا ترجمہ دوبارہ ملاحظہ ہو:

[میرے بعد زندہ رہنے والا شخص بہت اختلافات دیکھے گا، تو اس وقت تم لوگ میری سنت

اور خلفاءِ راشدین کی سنت کے ساتھ چمٹ جانا، اسے مضبوطی سے تھام لینا اور داڑھوں میں دبا لینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے]

صحابۂ کرام کے دور کے بعد، یا ان کے آخری دور میں عقیدہ کے تعلق سے جو مختلف گروہ اور فرقے ظاہر ہوئے مثلاً: قدریہ، مرجئہ یا اشاعرہ، ان میں سے کسی کو حق اور صواب کہنا ہرگز معقول نہ ہوگا، بلکہ یقینی اور قطعی طور پر حق تو صرف وہ ہے جس پر اصحابِ رسول قائم تھے اور یہ بات کہنے میں ہمیں ادنیٰ سا بھی شک یا تأمل نہیں ہے، ان مذاہب میں اگر کچھ بھی حق ہوتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اسے پہلے ہی اختیار کر چکے ہوتے۔ یہ بات عقل میں سما ہی نہیں سکتی کہ صحابۂ کرام (جن کا ایمان امت کیلئے مثالی قرار دیا گیا ہے) سے حق چھپا لیا جائے اور بعد کے ادوار میں پیدا ہونے والے لوگوں کیلئے وہ خزانہ کھول دیا جائے۔

حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۱/۹۷) میں مشہور تابعی ابراھیم النخعی کا قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: ''تمہارے لیئے (حق کا) ایسا کوئی ذخیرہ یا خزانہ نہیں ہے جو اس عظیم قوم (صحابۂ کرام) سے تمہاری کسی فضیلت کی بنا پر مخفی رکھا گیا ہو''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں (باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ﴾ کی شرح کرتے ہوئے ابوالمظفر السمعانی کا بڑا عمدہ اور نفیس کلام نقل کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں (۱۳/۵۰۷)

''المظفر السمعانی نے اس باب کی آیات واحادیث سے مذہب متکلمین کے فاسد ہونے پر استدلال کیا ہے، چنانچہ متکلمین اشیاء کو جسم، جوہر اور عرض کی طرف تقسیم کرتے ہیں، ان کے نزدیک جسم سے مراد ہر وہ چیز جو مختلف اجزاء سے مل کر بنے، اور جوہر وہ چیز ہے جو عرض کو اٹھاتا ہے۔ اور عرض وہ چیز ہے جو اپنی ذات پر قائم نہیں ہو سکتی (بلکہ قائم ہونے کیلئے جوہر کی محتاج ہوتی ہے)۔ اسکے بعد انہوں نے روح کو عرض قرار دیا ہے، اور نتیجۃً ان تمام احادیث کو رد کر دیا ہے جن

میں روح کے جسم سے قبل پیدا ہونے کا ذکر ہے، نیز ان احادیث کو بھی جن میں عقل کا مخلوقات سے قبل پیدا ہونا مذکور ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے سارا اعتماد اپنے ظن وتخمین پر اور اپنے افکار ونظریات کے نتائج پر کیا..... اب وہ نصوصِ شرعی اپنے خود ساختہ نظریات پر پیش کرتے ہیں، جو نصِ شرعی ان نظریات کے موافق ہوا سے قبول کر لیتے ہیں اور جو مخالف ہوا سے رد کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تبلیغِ دین کے مشن پر مأمور کیا ہے، اور سب سے مؤکد ومحکم چیز جسے پہنچا دینے کا حکم ہے وہ عقیدۂ توحید ہے، بلکہ توحید تو اصلِ دین اور اساسِ دین ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے امورِ دین کے تمام اصول، قواعد اور شرائع ایک نکتہ چھپائے بغیر بیان فرما دیئے، پورے دین میں یہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے متکلمین کے نظریات یعنی جوہر وعرض سے استدلال کی دعوت دی ہو، بلکہ آپ ﷺ سے اور آپ کے صحابہ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی ثابت نہیں..... جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ متکلمین ایک ایسی راہ پر چل نکلے ہیں کہ جو نبی ﷺ اور صحابۂ کرام کی راہ سے یکسر مخالف ہے، اور اس مخالف راہ پر چلنے کیلئے انہوں نے جن اصول وقواعد کا سہارا لیا ہے وہ بالکل نئے اور انکے اپنے اختراع کردہ ہیں۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اپنی اس باطل راہ پر چل نکلنے کے بعد انہوں نے سلفِ کو اپنی قدح وطعن کا نشانہ بنالیا، انہیں قلتِ علم ومعرفت کا الزام دیا اور ان کے طریق کو مشتبہ قرار دے دیا۔

ہم تمام لوگوں کو متکلمین کے کلام ومقالات سے بچنے اور دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں ان کی تمام گفتگو کا مبنیٰ ریت کی دیوار کے سوا کچھ بھی نہیں، جبکہ انکے مقالات آپس میں ہی متضادات ومتناقض ہیں، ان کے کسی گروہ کا کوئی کلام آپ سنیں تو معاً کوئی دوسرا گروہ اس کی مخالفت کرتا ہوا دکھائی دے گا، تو ان کے سارے مذہب کی حقیقت یہی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مقابل، معارض اور مخاصم ہیں۔

ان کے مذہب کے قبیح اور فاسد ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر ہم ان کی راہ پر چلتے ہوئے

عامۃ الناس کو ان کا مذہب اختیار کرنے کی دعوت دینگے، تو شاید ان سب کا کافر ہونا لازم آجائے، کیونکہ عامۃ الناس تو سیدھی سادھی اتباع کو پہنچاتے ہیں، اور متکلمین کا راستہ اور اسلوب اتنا گنجلک ہے کہ عامۃ الناس اسے سمجھ ہی نہیں سکتے، صاحبِ نظر ہونا تو بہت دور کی بات ہے، عامۃ الناس کی اختیار توحید کی حد اور غایت اسی قدر ہے کہ انہوں نے عقائدِ دین میں ائمۂ سلف کو جس راہ پر چلتے ہوئے پایا اس کو سینے سے چمٹا لیا اور دانتوں تلے دبا لیا، بڑی سادہ دلی کے ساتھ عبادات واذکار کی مسلسل آدائیگی میں مصروف ہیں اور ان کا منہج شکوک وشبہات سے قطعی پاک ہے، وہ اپنے معتقدات سے دستبردار ہونے کیلئے قطعاً تیار نہیں خواہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ انہیں یقین کی پختگی اور عقیدہ کی سلامتی مبارک ہو، یہ لوگ سوادِ اعظم اور جمہورِ امت ہیں، اگر انہیں کافر قرار دیا جائے تو پھر اسلام کی بساط کے سمیٹ دیئے جانے اور اس کی بنیادوں کو ڈھا دینے کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا۔'' واللہ اعلم

واضح ہو کہ ابو المظفر کے کلام میں خلقِ عقل کا جو ذکر ہے وہ محلِ نظر ہے، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے'' المنار المنیف ''(۵۰) میں خلقِ عقل والی تمام روایات کو موضوع اور مکذوب قرار دیا ہے۔

ابو الفتح الازدی فرماتے ہیں کہ خلقِ عقل کے بارہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ ابو جعفر العقیلی اور ابو حاتم ابن حبان نے بھی یہی فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں علماءِ سلف کے ایک بڑی جماعت کے اقوال جمع کیئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا بلا تشبیہ، بلا تحریف اور بلا تعطیل اثبات کیا جائے، پھر اس بات کو ایک عمدہ اور نفیس کلام سے ختم کیا: فرماتے ہیں: (ج ۱۳/ ۴۰۷، ۴۰۸)

'' بیہقی نے ابو داؤد الطیالسی کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن زید، حماد بن سلمۃ، شریک اور ابو عوانۃ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارہ میں تحدید کے قائل تھے نہ تشبیہ

کے، وہ صفاتِ باری تعالیٰ پر مشتمل احادیث روایت کرتے لیکن صفات کی کیفیت کے تعلق سے کبھی ایک حرف بھی نہ کہا۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں ہمارا مسلک بھی یہی ہے، اور امام بیہقی فرماتے ہیں: ہمارے اکابرین اسی منہج پر قائم و مستمر رہے ''

امام لالکائی نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن الحسن الشیبانی کا یہ قول نقل کیا ہے:

''مشرق سے لیکر مغرب تک کے تمام فقہاء قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ میں وارد اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر بلاتشبیہ اور بلاتفسیر ایمان لانے پر متفق ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی جہم بن صفوان کے قول سے تفسیر کرنے کی کوشش کرے وہ نبی ﷺ اور اصحابِ کرام کے منہج سے خارج ہوگیا اور جماعتِ حقہ سے علیحدگی اختیار کرلی، کیونکہ وہ شخص رب سبحانہ وتعالیٰ کو معدوم ہونے کے ساتھ متصف قرار دے رہا ہے۔''

ولید بن مسلم فرماتے ہیں: ''میں نے اوزاعی، مالک، سفیان ثوری اور لیث بن سعد سے ان احادیث کی بابت پوچھا جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات مذکور ہیں، تو ان سب نے جواب دیا: ان احادیث میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس طرح وارد ہوئی ہیں اسی طرح بلا کیفیت قبول کرلو۔''

ابنِ ابی حاتم نے ''مناقب الشافعی'' میں یونس بن عبدالاعلیٰ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ اسماء وصفات ہیں کسی کے پاس ان کے رد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور جس شخص نے ثبوتِ حجت کے بعد کسی صفت کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا، البتہ اقامتِ حجت سے قبل وہ جہل کی بناء پر معذور قرار دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم عقل، رؤیت یا تفکیر سے حاصل نہیں ہوتا، لہذا ہم ان صفات کو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کریں گے اور تشبیہ کی نفی کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود تشبیہ کی نفی کردی ہے، فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ ترجمہ: ''اس کے مثل کوئی چیز نہیں''

بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ احمد بن ابی الحواری کے واسطے سے سفیان بن عیینہ کا یہ قول نقل کیا

ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر جو اپنی صفات بیان کی ہیں، ان کی تفسیر یہ ہے کہ ان کی تلاوت کرو اور پھر خاموش ہو جاؤ''

اور ابو بکر الضبعی کے طریق سے سفیان بن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''قولہ تعالیٰ ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ میں اہل السنۃ کا مذہب یہ ہے کہ اسے بلا کیفیت قبول کیا جائے''

سلفِ صالحین سے اس بارہ میں بے شمار آثار ملتے ہیں اور یہی امام شافع اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا منہج ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی جامع میں نزولِ باری تعالیٰ کے بارے میں حدیثِ ابی ھریرۃ کے تحت فرماتے ہیں: ''اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے عرش پر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں اپنا یہ وصف بیان فرمایا ہے، بہت سے اہلِ علم نے اس حدیث اور اس جیسی دیگر صفات کے متعلق یہی کہا ہے۔''

اسی طرح ''فضل الصدقة'' کے باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' یہ تمام روایات ثابت ہیں، لہذا ہم ان پر ایمان لاتے ہیں، اور کسی وہم کا شکار نہیں ہوتے، اور نہ ہی اس صفت کی کیفیت کا سوال کرتے ہیں۔ امام مالک، سفیان بن عیینہ اور عبد اللہ بن مبارک سے یہی منقول ہے کہ وہ ان صفات کو بلا کیفیت قبول کرتے تھے، اور اہل السنۃ والجماعۃ کے اہل علم کا بھی یہی قول ہے، البتہ جہمیہ ان صفات کو تشبیہ قرار دیکر انکار کرتے ہیں، اسحٰق بن راھویہ فرماتے ہیں: تشبیہ تو تب ہو جب یوں کہا جائے کہ اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا اور اس کا سننا ہمارے سننے جیسا ہے''

سورۃ المائدۃ کی تفسیر میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أئمہ کرام فرماتے ہیں: ہم ان احادیثِ (صفات) پر بلا تاویل ایمان لاتے ہیں۔ان أئمہ میں سفیان ثوری، مالک، ابن عیینہ اور ابن المبارک کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ''

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں: '' اہل السنۃ اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کہ جو کتاب وسنت میں وارد ہیں کے بلا کیف اقرار پر متفق ہیں، البتہ گمراہ فرق جہمیہ، معتزلہ اور خوارج کا کہنا ہے کہ ان صفات کو ماننے والا مشبہ ہے ''(فسما هم من أقر بها معطلة)

امام الحرمین ''الرسالة النظامیه'' میں فرماتے ہیں:

''صفاتِ باری تعالیٰ کے ظواہر کے بارہ میں علماءِ کرام کے مختلف مسالک ہیں، بعض تو آیاتِ قرآنی اور صحیح احادیث میں وارد شدہ صفات میں تاویل کے قائل ہیں، بلکہ وہ بالالتزام تاویلیں کرتے ہیں۔ جبکہ أئمہ سلف تاویل سے یکسر گریز کرتے ہیں، ان کا منہج یہ ہے ان ظواہر کو ان کے اصلی موارد پر محمول کریں اور معانی (حقیقت وکیفیت) کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں۔ ہمارے نزدیک پسندیدہ رائے اور بہترین عقیدہ ومنہج، أئمہ سلف کی اتباع ہے، کیونکہ اجماعِ امت کے حجت ہونے پر قطعی دلیلیں موجود ہیں۔ اگر ان ظواہر کی تاویل ہی ضروری ہوتی تو أئمہ سلف فروعِ شریعت سے کہیں بڑھ کر اس کا اہتمام کرتے، لیکن اس کے برعکس صحابہ کرام اور تابعین عظام کا پورا زمانہ صفاتِ باری تعالیٰ میں تاویل کرنے سے گریز کرتے ہوئے گزر گیا تو پھر یہی منہج قابلِ اتباع ہے۔ ''

اور تیسرے دور کے مختلف علاقوں کے علماء وفقہاء مثلاً: سفیان ثوری، اوزاعی، مالک، لیث بن سعد اور ان کے ہم عصر علماء اور ان سے روایت لینے والے بہت سے أئمہ کرام کے اقوال گزر چکے ہیں (ان سب کا منہج صفاتِ باری تعالیٰ کو بلا تشبیہ وتکییف وتاویل قبول کرنے کا تھا)۔

تو پھر اس منہج پر کیوں نہ اعتماد ویقین کیا جائے جس پر قرونِ ثلاثہ کے علماء متفق تھے، جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ صاحبِ شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان قرونِ ثلاثہ کے متعلق سب سے

بہترین قرون ہونے کی شہادت دی ہے۔

امام الحرمین جوینی کے کلام میں جو یہ بات آئی ہے کہ ائمہ سلف صفات کے معانی کی تفویض کے قائل تھے، درست نہیں ہے۔ ائمہ سلف معانی کی تفویض کے نہیں بلکہ صفات کی کیفیت کی تفویض کے قائل تھے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ، جب ان سے استواء علی العرش کی کیفیت کی بابت سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش معلوم ہے لیکن کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی کیفیت کا سوال بدعت ہے۔

الفائدة الثانيه

وسطية أهل السنة والجماعة في العقيدة بين فرق الضلال.

دوسرا فائدہ:

أھل السنۃ والجماعۃ کا دیگر گمراہ فرقوں کے مابین وسطیت واعتدال پر قائم رہنا

ہمارے نبی محمد ﷺ کی امت دیگر امتوں کے مقابلے میں وسطیت اور اعتدال پر قائم ہے، چنانچہ یہود ونصاریٰ میں افراط وتفریط کے اعتبار سے بڑا تضاد ہے، یہودیوں نے انبیاءِ کرام کے حق میں اس قدر ظلم وزیادتی کا مظاہرہ کیا کہ بعض انبیاء کو قتل تک کر دیا جبکہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کے تعلق سے ایسا غلو اختیار کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود ٹھہرا دیا، یہ عقیدہ کے اندر ان کے تضاد کی مثال ہے۔ احکام کے اندر افراط وتفریط کے لحاظ سے تضاد کی دلیل یہ ہے کہ یہودی اپنی حائضہ عورتوں کے ساتھ کھانا پینا بلکہ قریب بیٹھنا تک بند کر دیتے ہیں، جبکہ نصاریٰ نے اس کے برعکس تفریط کا راستہ اختیار کیا ایسی عورتوں کے ساتھ جماع تک کر لیتے تھے۔

جس طرح امتِ محمد یہ دیگر امتوں کے افراط وتفریط کے مقابلے میں وسطیت واعتدال پر قائم ہے، اسی طرح اہلِ السنۃ والجماعۃ اس امت میں بنے ہوئے دیگر فرقوں کے افراط وتفریط کے مقابلے میں وسطیت واعتدال پر قائم ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) اہل السنۃ والجماعۃ صفاتِ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں معطلہ اور مشبہ کی افراط وتفریط کے مقابلے میں طریق وسط پر قائم ہیں، چنانچہ مشبہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو قبول تو کیا لیکن اتنی بڑی کوتاہی کے مرتکب ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مخلوق کے ساتھ تشبیہ وتمثیل کے عقیدۂ باطلہ کو اپنا بیٹھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور وہ ہمارے ہاتھوں جیسا ہے، اور اس کا چہرہ ہے اور وہ ہمارے چہروں جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس عقیدہ سے بہت بلند اور منزہ ہے۔

اس کے مقابلے میں معطلہ نے خود ہی یہ مفروضہ گھڑ لیا کہ اثباتِ صفات، تشبیہ کو مستلزم ہے،

لہذا انہوں نے صفات کی تعطیل وانکار کا عقیدہ اپنالیا، اس طرح وہ بزعم خویش اللہ تعالیٰ کی مشابہتِ مخلوق سے تنزیہ کررہے ہیں، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ اس سے بھی بدترین تشبیہ میں داخل ہوچکے ہیں، اور وہ ہے خالق کی معدومات سے تشبیہ..... کیونکہ ایسی کسی ذات کا تصور موجود نہیں ہے جو صفات سے خالی ہو۔

اُھل السنۃ والجماعۃ اس افراط وتفریط کے مقابلے میں ایک درمیانی راہ پر قائم ہیں، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اس طرح اثبات ہو کہ وہ ہر قسم کی تشبیہ وتمثیل سے پاک ہو..... اور صفاتِ نقص سے اس طرح تنزیہ کی جائے کہ وہ ہر قسم کی تعطیل سے پاک ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ اُھل السنۃ والجماعۃ اللہ تعالیٰ کیلئے سمع وبصر کی صفات ثابت کرتے ہیں کیونکہ ان دونوں صفات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیئے ثابت کیا ہے، اس طرح وہ تعطیل وانکار سے بچ گئے، پھر اُھل السنۃ والجماعۃ اثباتِ صفات کے ساتھ ساتھ تنزیہ کے بھی قائل ہیں اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، مخلوق کی صفات سے قطعی مماثل ومشابہ نہیں ہیں، چنانچہ مشبہ کے پاس اثبات ہے لیکن تشبیہ کے ساتھ، اور معطلہ کے پاس تنزیہ ہے لیکن تعطیل کے ساتھ، یعنی اُھل السنۃ والجماعۃ نے اس تعلق سے ہر دو گروہوں کی خوبی لے لی اور وہ اثبات اور تنزیہ ہے، اور ہر دو گروہوں کی برائی سے اپنے آپ کو بچالیا اور وہ تشبیہ اور تعطیل ہے۔

معطلہ اُھل السنۃ والجماعۃ کو مشبہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں جو جھوٹ پر مبنی ہے؛ کیونکہ ان کے ہاں اثبات کا تشبیہ کے بغیر کوئی تصور نہیں ہے، جبکہ اُھل السنۃ والجماعۃ کا کہنا ہے کہ معطلہ کا عقیدہ معبود کی نفی وانکار پر قائم ہے۔

حافظ ابنِ عبدالبر "التمہید" (۱۴۵/۷) میں فرماتے ہیں:

"اہل بدعت، جہمیہ، معتزلہ اور خوارج صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور کسی صفت کو اس کی اصل حقیقت پر محمول نہیں کرتے، اور وہ اپنے زعم میں صفات کا اقرار کرنے والوں کو مشبہ

سمجھتے ہیں، حالانکہ صفاتِ باری تعالیٰ کا اقرار کرنے والے ''أھل السنۃ والجماعۃ'' انہیں معبود کی نفی وانکار کرنے والا قرار دیتے ہیں''

امام ذہبی نے ابنِ عبدالبر کا یہ قول ''کتاب العلو ''(۶۲۱۳) میں نقل کر کے اس پر درج ذیل تعلیق لگائی ہے:

اللہ کی قسم ابنِ عبدالبر نے بالکل سچ کہا ہے کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تاویلیں کرتے ہیں اور انہیں مجاز پر محمول کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی ذات کی نفی وتعطیل اور اس کے معدوم کے مشابہ ہونے کے عقیدۂ باطلہ میں مبتلا ہو گئے، جیسا کہ حماد بن زید کا قول ہے، فرماتے ہیں: جہمیہ کی مثال اس قوم جیسی ہے جو کہے ہمارے گھر میں کھجور کا درخت ہے، ان سے پوچھا گیا:

اس کی شاخیں ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

اس کی ٹہنیاں ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

اس میں تازہ پھل اور خوشے ہیں؟ جواب دیا نہیں۔

اس کا تنا ہے؟ جواب دیا نہیں۔

تو اس قوم سے یہی کہا جائے گا: تمہارے گھر میں کھجور کا کوئی درخت نہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے صفات کی نفی کر رہا ہے وہ درحقیقت معبود کی نفی کر رہا ہے، اس لیئے کہ ایسی کسی ذات کا وجود نہیں جو صفات سے خالی ہو۔ اس لیئے حافظ ابن القیم اپنے قصیدۂ نونیہ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''مشبہ صنم کا پجاری ہے، جبکہ معطل عدم کا، اور موحد اس اللہ کی عبادت کرتا ہے، جو واحد وصمد ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ ذات سمیع وبصیر ہے۔''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

'' معطل کا دل عدم کے ساتھ معلق ہے، اور وہ احقر الحقیر چیز ہے، جبکہ مشبہ کا دل صنم کے

ساتھ معلق ہے جو تصویروں اور اندازوں سے گھڑا اور تراشا جاتا ہے، جبکہ موحد کا دل اس ذات کی پرستش کر رہا ہے، جس جیسی کوئی چیز نہیں ہے، اور وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے ''

(۲) أھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ افعالِ عباد کے تعلق سے جبریہ اور قدریہ کے افراط وتفریط کے درمیان واقع ہے۔

جبریہ، بندوں سے ہر قسم کے اختیار کی نفی کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بندوں سے جو اعمال وافعال سرزد ہو رہے ہیں وہ بلا قصد واختیار سرزد ہو رہے ہیں، جس طرح کے درختوں کی شاخوں اور پتوں کی حرکت غیر اختیاری ہے۔ جبکہ قدریہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا انکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بندہ اپنے ہر طرح کے افعال کا خود ہی خالق ہے۔ جبکہ أھل السنۃ والجماعۃ، بندے کیلئے اس حد تک مشیئت واختیار ثابت کرتے ہیں جسے بروئے کار لا کر وہ اجر وثواب یا عذاب وعقاب کا مستحق بنتا ہے، لیکن وہ بندے کو اس مشیت واختیار میں مستقل نہیں سمجھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کے تابع قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ . وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ﴾

ترجمہ: ''(یہ قرآن نصیحت ہے بالخصوص) اس کیلئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلتا ہے۔ اور تم بغیر پروردگارِ عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے'' (التکویر: ۲۸، ۲۹)

اور یہ عقیدہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں اور ان کے تمام افعال کا خالق ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الصافات: ۹۶)

ترجمہ: ''حالانکہ تمہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو، کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے''

(۳) أھل السنۃ والجماعۃ، وعد ووعید کے باب میں مرجئہ اور خوارج ومعتزلہ کی افراط وتفریط کے مابین اعتدال کی راہ پر قائم ہیں۔

مرجہ کا عقیدہ ہے کہ جس طرح کفر کی حالت میں کی گئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، اسی طرح ایمان کی حالت میں کیئے گئے گناہ کا کوئی نقصان نہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا اعتماد صرف نصوصِ وعد پر ہے جبکہ نصوصِ شرعیہ کو انہوں نے مہمل و معطل قرار دے دیا ہے۔ نصوصِ وعد سے مراد ثواب وبشارت پر مشتمل آیات واحادیث ہیں، جبکہ نصوصِ وعید سے مراد وہ آیات واحادیث جن میں سزا اور عذاب وعقاب کا ذکر ہے۔ گویا مرجہ اس قدر تفریط کا شکار ہیں کہ ان کے نزدیک گناہ کا کوئی نقصان نہیں .....اس کے برخلاف خوارج ومعتزلہ کا افراط ہے، جنہوں نے ایک کبیرہ گناہ کے مرتکب کو دنیا میں ایمان سے خارج قرار دے دیا اور آخرت میں اس کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنمی ہونے کا عقیدہ اپنالیا۔ خوارج ومعتزلہ نے یہ عقیدہ اختیار کرنے کیلئے نصوصِ وعید پر اکتفاء کرلیا اور نصوصِ وعد کو پسِ پشت ڈال دیا۔ جبکہ اُھل السنۃ والجماعۃ نے نصوصِ وعد اور نصوصِ وعید دونوں کو ساتھ ساتھ لیا، ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ تو ایمان سے خارج ہے اور نہ آخرت میں مخلد فی النار ہے، بلکہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا چاہے عذاب دے دے اور چاہے معاف فرمادے، اگر عذاب دے گا تو ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھے گا جس طرح کہ کفار کیلئے جہنم کی ہمیشگی ہے، بلکہ اسے جہنم سے بالآخر نکال کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

(۴) اُھل السنۃ والجماعۃ، ایمان کے باب میں مرجہ اور خوارج ومعتزلہ کی افراط وتفریط کے مابین اعتدال کی راہ پر قائم ہیں۔

اس سلسلہ میں مرجہ کی تفریط یہ ہے کہ وہ نافرمان مؤمن کو کامل الایمان تصور کرتے ہیں۔ اور خوارج ومعتزلہ کی تفریط یہ ہے کہ وہ نافرمان مؤمن کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد خوارج تو اس کے کافر ہونے کا حکم لگاتے ہیں، لیکن معتزلہ کے نزدیک وہ ایمان سے خارج تو ہے لیکن کفر میں داخل نہیں، بلکہ ایمان وکفر کے درمیان ایک ٹھکانے پر کھڑا ہے۔

اُھل السنۃ والجماعۃ، نافرمان مؤمن کو ناقص الایمان تصور کرتے ہیں، اسے نہ تو مرجہ کی

طرح کامل الایمان تصور کرتے ہیں کہ یہ تفریط کا راستہ ہے، اور نہ ہی خوارج ومعتزلہ کی طرح ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں کہ یہ افراط کا راستہ ہے۔ بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہنے کی بناء پر مؤمن ہے، اور کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہے، نہ تو اسے ایمانِ مطلق کا پروانہ دیتے ہیں اور نہ ہی اس سے مطلق ایمان کا حکم سلب کرتے ہیں۔

أھل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایک بندے کے اندر ایمان اور معصیت اور محبت وبغض کا جمع ہونا ممکن ہے، چنانچہ اس کے اندر موجود ایمان کی بناء پر اس سے محبت کی جائے، اور اس سے فسق وفجور کے ارتکاب کی بناء پر بغض رکھا جائے۔ محبت وبغض کے اس اجتماع کو بڑھاپے کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، بڑھاپا انتہائی پسندیدہ بھی ہے اور انتہائی ناپسندیدہ بھی، پسندیدہ اس وقت جب اس کے مابعد یعنی موت کو دیکھا جائے، اور ناپسندیدہ اس وقت جب اس کے ماقبل یعنی جوانی کو دیکھا جائے، جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

الشیب کرہٌ وکرہٌ ان نفارقہ
فاعجب لشیءٍ علی البغضاءِ محبوب

بڑھاپا ناپسندیدہ ہے لیکن اس سے مفارقت اور بھی ناپسندیدہ ہے (کیونکہ مفارقت کا مطلب موت ہے) لہذا ناپسندیدگی کے باوجود اسے پسند کیئے رہو۔

(۵) أھل السنۃ والجماعۃ، خوارج وروافض کے اندر موجود افراط وتفریط کے مابین مذہب اعتدال پر قائم ہیں۔

چنانچہ افراط یہ ہے کہ انہوں نے علی اور معاویہ رضی اللہ عنھما اور ان کے ساتھ موجود صحابۂ کرام کو کافر کہا، ان سے قتال کیا اور ان کے اموال کو حلال سمجھا۔ دوسری طرف روافض کی تفریط ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے علی، فاطمہ اور انکی اولاد رضی اللہ عنھم کے بارہ میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ انہیں معصوم قرار دینے لگے، اور دوسری طرف تمام صحابہ کو اپنے بغض اور سب وشتم کا نشانہ بنایا۔

أھل السنۃ والجماعۃ تمام صحابۂ کرام سے محبت کرتے ہیں، ان کے ساتھ دوستی اور ولاء قائم کرتے ہیں، اور انہیں انکے اصل مقام ومرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں، اور کسی صحابی کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اس سلسلہ میں امام طحاوی أھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور کسی کی محبت میں نہ تو افراط وغلو کے قائل ہیں اور نہ ہی کسی صحابی سے بغض وبراء کا نظریہ رکھتے ہیں۔ اور صحابۂ کرام کا بغض رکھنے والا اور انہیں کلمۂ خیر سے یاد نہ کرنے والا ہمارے نزدیک نفرت وبغض کا مستحق ہے۔ ہم ہمیشہ خیر کے ساتھ صحابہ کا ذکر کرتے ہیں، انکی محبت دین، ایمان اور احسان ہے، جبکہ ان کے ساتھ بغض وعداوت رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔ ''

امام طحاوی کا یہ فرمان: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں'' کا مطلب یہ ہوا کہ أھل السنۃ أصحابِ رسول کے بارہ میں اس جفاء سے پاک صاف اور بری ہیں جس میں روافض وخوارج مبتلا تھے۔ اور ان کا یہ فرمانا: ''ہم کسی کی محبت میں افراط وغلو کے قائل نہیں'' کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ان سے محبت کے تعلق سے ہر قسم کے غلو سے پاک ہیں۔ چنانچہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں اس طرح ہم جفاء میں مبتلا نہیں اور اس محبت میں کسی قسم کا غلو روا نہیں رکھتے اس طرح ہم مبتلائے غلو بھی نہیں ہیں۔

واضح ہو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان امور کو کہ جن میں أھل السنۃ والجماعۃ، بقیہ فِرَق کے درمیان راہِ اعتدال پر قائم ہیں کو'' العقیدۃ الواسطیۃ '' میں اجمالاً بیان فرمایا ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

'' اھل السنۃ والجماعۃ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارہ میں أھل تعطیل جہمیہ اور اہل تمثیل مشبہ کی افراط وتفریط اور افعالِ عباد میں جبریہ اور قدریہ کی افراط وتفریط، اور وعد ووعید کے باب میں مرجـ

اور خوارج کی افراط وتفریط، اور ایمان ودین کے باب میں خوارج ومعتزلہ اور مرجئہ وجہمیہ کی افراط وتفریط اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے بارہ میں رافضہ اور خوارج کی افراط وتفریط کے مابین راہِ اعتدال پر قائم ہیں۔''

الفائدة الثالثة

عقيدة أهل السنة والجماعة مطابقة للفطرة.

تیسرا فائدہ:

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے مطابق ہے۔

صحیح بخاری (۱۳۸۵) اور صحیح مسلم (۲۶۵۸) میں (اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں) ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: [ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں.....]

صحیح مسلم (۲۸۶۵) میں عیاض بن حمار المجاشعی ﷺ سے مروی ہے، (حدیثِ قدسی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

[.....اور میں نے تو اپنے تمام بندوں کو حنفاء پیدا کیا ہے مگر شیاطین نے ان کے پاس آ کر انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیا، اور میری حلال کردہ اشیاء کو حرام کر دیا، اور انہیں میرے ساتھ شرک کرنے کا حکم دے دیا، حالانکہ شرک ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے]

یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ دینِ اسلام، دینِ فطرت ہے، اور اُھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے مطابق ہے، یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم (۵۳۷) میں معاویہ بن الحکم السلمی کی روایت کہ جس میں لونڈی کا قصہ مذکور ہے، چنانچہ معاویہ بن الحکم نے نبی ﷺ سے پوچھا: [کیا میں اسے آزاد کر دوں؟ تو نبی علیہ السلام نے (یہ جاننے کیلئے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں) فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ چنانچہ معاویہ فرماتے ہیں: میں لے آیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا: اللہ

کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان پر، آپ ﷺ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے آزاد کردو بے شک یہ مؤمنہ ہے.....]

اس لونڈی نے اپنی فطرتِ سلیمہ سے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ءَ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ. أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴾ (الملک:۱۶،۱۷)

ترجمہ: ''کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے۔ یا کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا''

ان دونوں آیتوں سے بصراحت اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ ''السماء'' سے مراد یا تو علو یعنی بلندی ہے اور یا ''فی'' بمعنی ''علی'' ہے، جیسا کہ قولہ تعالیٰ: ﴿وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ﴾ میں ''فی'' ''علی'' کے معنی میں ہے۔ جو لوگ مبتلائے مرضِ علمِ کلام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علو کو علوِ قدر و مرتبہ اور علوِ قہر پر محمول کرتے ہیں (علو ذات نہیں مانتے) جبکہ اُھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علو سے علوِ قدر، علوِ قہر اور علو ذات سب مراد ہیں۔

بعض متکلمین سے ایسی عبارات منقول ہوئی ہیں جن میں وہ یہ اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ''نجات و سلامتی کا راستہ ہماری فلسفیانہ موشگافیاں نہیں، بلکہ ہماری بوڑھی بزرگ خواتین کا عقیدہ ہے جو انتہائی سادہ اور فطرت کے عین مطابق ہے۔''

شارح الطحاویۃ نے ابوالمعالی الجوینی کا ایک کلام نقل کیا ہے جس میں وہ علمِ کلام کی مذمت کرتے ہیں: (اپنی عمر کا ایک طویل حصہ علمِ کلام کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے گزارنے والا یہ شخص بالآخر) اپنی موت کے وقت کہہ گیا:

'' میں اپنی والدہ کے عقیدہ پر مرتا ہوں ''

یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ: '' میں نیشاپور کے بوڑھے بزرگوں کے عقیدہ پر مرتا ہوں''

امام رازی جو متکلمین کے سرخیل شمار ہوتے ہیں، ''لسان المیزان'' (۴/۴۲۷) میں ان کے ترجمہ میں ہے:

'' وہ اصولِ کلام میں تبحرِ علمی کے باوجود کہا کرتے تھے کہ کامیاب تو وہی ہوگا جو عجائز یعنی بوڑھی خواتین کے سادہ اور مطابقِ فطرت عقیدے کو اپنا لے ''

ابو محمد الجوینی جو امام الحرمین کے والد ہیں، اپنے اشعری مشائخ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' جو شخص اتنا کچھ پڑھ لینے کے باوجود اب تک اپنے معبود کی جہت کو نہیں پہنچان پایا، اور ایک بکریاں چرانے والی لونڈی (جس نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ اللہ آسمان میں ہے) اس سے زیادہ اللہ کو جانتی ہے، تو پھر اس پڑھے لکھے شخص کا دل ہمیشہ اندھیروں اور تاریکیوں میں بھٹکتا رہے گا جو ایمان و معرفت کے انوار سے کبھی منور نہیں ہو سکے گا۔ ''

(''مجموعۃ الرسائل المنیریۃ'' (۱/۱۸۵)

''طبقات ابن سعد '' (۵/۳۷۴) میں، صحیح مسلم کی شرط پر جعفر بن برقان سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ایک شخص عمر بن عبد العزیز کے پاس آیا، اور بدعات و اھواء کے تعلق سے کچھ باتیں پوچھیں، تو آپ نے فرمایا:

'' ان بڑے بڑے لکھاریوں کے بیچ (خالص الفطرت) بچے اور اعرابی کے عقیدے کو تھام لو، اور اس کے سوا ہر چیز بھول جاؤ ''

امام نووی نے بھی ''تھذیب الأسماء واللغات '' (۲/۲۲) میں یہ قول ان کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

الفائدة الرابعة

الكلام فى الصفات فرع عن الكلام فى الذات والقول فى بعض الصفات كالقول فى البعض الآخر .

چوتھا فائدہ:

صفاتِ باری تعالیٰ میں گفتگو ذاتِ باری تعالیٰ میں
گفتگو کی فرع ہے، اور بعض صفاتِ باری تعالیٰ میں
گفتگو دیگر صفاتِ باری تعالیٰ میں گفتگو کی طرح ہے

اُھل السنۃ والجماعۃ اللہ تعالیٰ کیلئے تمام اسماء وصفات جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادیئے، ثابت کرتے ہیں، اور اس طرح ثابت کرتے ہیں جس طرح اس ذات کے جمال وکمال کے لائق ہے۔ اور اثباتِ صفات میں کسی قسم کی تکییف یا تمثیل یا تاویل کا نہ تو ارتکاب کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں روا سمجھتے ہیں۔

جہمیہ اور معتزلہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو ثابت کرتے ہیں لیکن صفات کا انکار کرتے ہیں، ہم ان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کلام، اس کی ذات میں کلام کی فرع ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کو بایں طور مانتے ہو کہ وہ ذات مخلوقات کی ذات کے مشابہ نہیں ہے، ویسی ہی اس کی وہ صفات جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں انہیں اسی طرح مان لینا چاہیئے کہ وہ مخلوقات کی صفات کے مماثل ومشابہ نہیں۔ یعنی ذات کی طرح صفات کو مان لینے میں کیا مانع ہے؟

اسی طرح اشاعرہ جو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بلا تاویل مانتے ہیں، لیکن بقیہ صفات میں تاویل کرتے ہیں، ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں کلام، دیگر صفات میں کلام ہی کی طرح ہے، جب تم بعض صفات کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ انہیں بلا تاویل مان لینا چاہیئے جیسا کہ اس ذات کے لائق ہے، تو بقیہ صفات کے بارہ میں یہ عقیدہ کیوں نہیں رکھتے کہ انہیں بھی

بلا تاویل، جیسا اس ذات کے لائق ہے مان لیا جائے؟ ان دونوں قواعد کی مکمل توضیح کیلئے شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے رسالہ ''التدمریة'' (۳۱، ۴۶) کی طرف مراجعت کیجائے۔

❁ ❁ ❁

الفائدة الخامسة

السلف ليسوا مؤولة ولامفوضة .

پانچواں فائدہ:

سلفِ صالحین اسماء وصفات میں نہ تو تاویل کے قائل تھے اور نہ ان کے معنی میں تفویض کے قائل تھے

یہ بات معلوم ہے کہ سلفِ صالحین، صحابہ وتابعین، قرآن وحدیث سے ثابت اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کو اس طرح مانتے تھے جیسے اس ذات کے جمال وکمال کے لائق ہے، اور اس بارہ میں تشبیہ، تعطیل یا تکییف کے روا ہونے کے قطعاً قائل نہیں تھے..... لیکن خلف یعنی بعد میں آنے والوں کا عقیدہ اس کے برخلاف ہے۔ کیونکہ وہ صفاتِ باری تعالیٰ میں تاویلیں کرتے ہیں اور انہیں معنیٰ باطل کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اسی طرح مفوضہ کا طریقہ بھی، سلفِ صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے۔

مفوضہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے معانی کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے قائل ہیں، یعنی ان کا کہنا ہے کہ ان صفات کا معنیٰ بھی اللہ جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔ مؤولہ یعنی تاویل کرنے والا گروہ، مفوضہ کے اس عمل کو سلفِ صالحین کا طریقہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ باطل ہے، سلفِ صالحین صفات کے معانی کی تفویض نہیں کرتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کی تفویض کرتے تھے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے، جب ان سے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت کے بارہ میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: '' الاستواء معلوم، والكيف مجهول

والایمان بہ واجب، والسؤال عنہ بدعة ''یعنی اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا معنی معلوم ہے، لیکن استواء کی کیفیت مجہول ہے، لہذا استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیت کا سوال بدعت ہے۔

ثابت ہوا کہ سلفِ صالحین صفات کے معنی کی تفویض نہیں کرتے تھے، بلکہ صفات کی کیفیت کی تفویض کرتے تھے۔ اب جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام کا طریقہ معانی صفات میں تفویض کرنا تھا، وہ تین انتہائی خوفناک گناہوں کا مرتکب بن جاتا ہے:

(۱) ایک اس کا سلفِ صالحین کے مذہب سے جاہل ہونا۔

(۲) دوسرا اس کا سلفِ صالحین کو جاہل قرار دینا۔

(۳) تیسرا اس کا سلفِ صالحین پر جھوٹ باندھنا۔

جہاں تک اس کے سلفِ صالحین کے مذہب سے جاہل ہونے کا تعلق ہے، تو اس کی وجہ واضح ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا قول جو ابھی گزرا اس سے منہجِ سلف کا صاف پتا چل رہا ہے، لیکن یہ شخص سلفِ صالحین کا مذہب جانتا ہی نہیں۔

جہاں تک اس کا سلفِ صالحین کو جاہل قرار دینے کا تعلق ہے، تو یہ بھی واضح ہے، کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ سلفِ صالحین صفات کے معانی کی تفویض کرتے تھے، تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ انہیں صفات کے معانی کا فہم حاصل نہیں تھا، لہذا وہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت پر یہی بات کہنے پر اکتفاء کر لیتے تھے کہ اس کا معنی اللہ ہی جانتا ہے، (اور یہ باطل ہے)

جہاں تک اس کے سلفِ صالحین پر جھوٹ باندھنے کا تعلق ہے تو یہ بھی واضح ہے کیونکہ اس نے ایک باطل مذہب کو سلفِ صالحین کی طرف منسوب کیا ہے، جس سے وہ بالکل بری تھے۔

الفائدة السادسة

كل من المشبهة والمعطلة جمعوا بين التمثيل والتعطيل .

چھٹا فائدہ:

مشبہ اور معطلہ دونوں نے اپنے اپنے عقیدے میں تمثیل وتعطیل کو جمع کر دیا ہے

معطلہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو نہیں مانتے، بلکہ ان کی نفی اور تعطیل کے قائل ہیں۔ ان کا شبہ یہ ہے کہ صفات کے اثبات سے تشبیہ لازم آتی ہے۔ یہ شبہ اس لیئے پیدا ہوا کہ وہ صفاتِ باری تعالیٰ کا تصور، مخلوقات کی صفات کے مشاہدہ کی روشنی میں کر بیٹھے، چنانچہ اس غلط تصور نے انہیں نفیِ صفات اور تعطیلِ صفات کی وادی میں دھکیل دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک چیز سے بچنے کی کوشش میں اس سے بھی زیادہ بدترین چیز میں پھنس کر رہ گئے، کیونکہ انکے اس باطل عقیدہ کا ماحصل یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ معدومات (جن اشیاء کا وجود نہ ہو) کے مشابہ ہے، کیونکہ ایسی کسی ذات کا تصور ممکن نہیں جو صفات سے خالی ہو۔

ہم ایک مثال سے وضاحت کرتے ہیں، کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ثابت ہے جس کا ظاہری معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ الفاظ واصوات کے ساتھ کلام فرماتا ہے (جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے) اب جہمیہ اور معتزلہ نے بزعمِ خویش اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا وہ تصور ذہن میں بٹھالیا جو مخلوق کے طریقۂ کلام کے مشابہ ہوگا، پھر اس پر یہ لازم آئے گا کہ جس طرح مخلوق کلام کرنے کیلئے زبان، حلق اور ہونٹوں کی محتاج ہے اللہ تعالیٰ کیلئے بھی یہ سب ضروری ہوگا۔ اب چونکہ ان کے نزدیک یہ تمام چیزیں مخلوقات ہی میں متصور ہیں، تو اگر یہ مان لیں کہ اللہ تعالیٰ بھی کلام فرماتا ہے، تو اس کا مخلوقات کے مشابہ ہونا لازم آجائے گا، لہذا انہوں نے صفتِ کلام ہی کا انکار کر دیا۔

جہمیہ نے جو خود ساختہ تصورات کی عمارت تعمیر کی ہے وہ کئی وجوہ سے باطل اور مردود ہے:

(۱) اثباتِ صفات اور تشبیہ میں کوئی تلازم نہیں ہے، کیونکہ اثبات یا تو تشبیہ کے ساتھ ہوگا، یا تنزیہ کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے صفت کے اثبات کا تشبیہ کے ساتھ ہونا باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ اب یہاں اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ سمع و بصر ثابت ہیں، اور ساتھ ساتھ مشابہت اور مماثلت کی نفی بھی ہے، اور یہی اللہ تعالیٰ کے جلال و کمال کے لائق ہے، اور یہی حق ہے، (لہذا اثباتِ صفت کیلئے لازماً تشبیہ کا تصور جہمیہ و معتزلہ کا اپنا پیدا کردہ ہے، جو مردود ہے۔)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اثباتِ صفات سے تشبیہ لازم آنے کا ان کا جو زعم ہے، جس کی بناء پر یہ صفات کا انکار کر دیتے ہیں، بذاتِ خود ایک بہت بڑے اور بدترین محذور کے پیدا ہونے کا باعث بنتا ہے اور وہ ہے خالق کا معدومات کے مشابہ ہونا۔ اس کے بارہ میں اہلِ علم کا کچھ تبصرہ گزر چکا ہے، خصوصاً امام ذہبی نے حماد بن زید کے حوالے سے جو کھجور کی مثال بیان کی ہے جس میں کھجور والوں نے اپنے گھر کھجور کا درخت ہونے کا دعویٰ کیا لیکن جب ان سے کھجور کے درخت کی تمام صفات کا پوچھا گیا تو ہر صفت کی نفی کی، جس پر ان سے کہا گیا کہ تمہارے گھر میں کھجور کا درخت نہیں ہے۔ چنانچہ فائدہ نمبر (۳) میں اس کی تفصیل موجود ہے (خلاصہ یہ ہے کہ معطلہ نے تشبیہ کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا، تو اس ذات کو صفات سے معطل کر کے معدوم جیسا بنا دیا جو ان کے پیدا کیئے ہوئے محذور سے زیادہ محذور ہے)

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض مخلوقات کا کلام کرنا ثابت ہے اور وہ مخلوقات کے طریقۂ کلام سے یکسر مخالف ہے، چنانچہ بکری کی دستی جس میں نبی ﷺ کیلئے زہر ملا دیا گیا تھا نے نبی ﷺ سے بات کی اور آپ ﷺ کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی۔ (ابوداؤد، ۱۰۴۵، ۱۲۴۵)

صحیح مسلم (۷۷۲۲) میں جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہو جو میری بعثت سے قبل مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں]

یہ دنیا کے اندر بعض مخلوقات کے کلام کرنے کی مثالیں ہیں، آخرت میں بعض مخلوقات کے کلام کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (یس:٦٥)

ترجمہ: ''ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہریں لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دینگے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے''

اور فرمایا: ﴿ حَتّٰى اِذَا مَا جَاءُ وْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ . وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا أَنْطَقَنَا اللهُ الَّذِىْ أَنْطَقَ كُلَّ شَىْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ (فصلت:٢٠،٢١)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے''

کیا یہاں یہی کہو گے کہ دستی، پتھر، ہاتھوں اور پاؤں کا زبان، حلق اور ہونٹوں کے بغیر کلام ممکن نہیں ہے۔ جب ان مخلوقات کا کلام کرنا ثابت ہے اور وہ بھی اس طرح جو عام مخلوقات کے طریقۂ کلام سے مختلف ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کی کوئی انتہاء نہیں اس کی صفتِ کلام کو مخلوق کے مشابہ قرار دینے کی کیا ضرورت اور مجبوری ہے؟

یہاں امرِ واجب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام برحق ہے، اس کا اثبات واجب ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اس کی شانِ کمال وجلال کے لائق ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ معطلہ نے تعطیل کے ساتھ ساتھ تشبیہ کا بھی ارتکاب کیا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو معدومات سے تشبیہ دیتے ہیں)

جس طرح معطلہ نے تشبیہ کا ارتکاب کیا ہے، اسی طرح مشبہ نے تعطیل کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ اگرچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات کیا ہے لیکن اسے مخلوقات کے مشابہ قرار دے دیا ہے..... چنانچہ وہ معطلہ بھی ہوگئے کیونکہ انہوں نے صفات کو اس طرح نہیں مانا جس طرح اللہ تعالیٰ کے لائقِ شان ہے۔ تو کیوں کہ یہ ماننا خلافِ شریعت ہے لہذا وہ ماننے کے باوجود منکر اور معطل قرار پائے۔

❁ ❁ ❁

الفائدة السابعة

متكلمون يذمون علم الكلام ويظهرون الحيرة والندم .

ساتواں فائدہ:

بعض متکلمین کا علمِ کلام کی مذمت کرنا اور علمِ کلام کے ساتھ تعلق کی وجہ سے حیرت وندامت کا اظہار کرنا۔

اُھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ ﷺ کی دلیل، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم وارضاھم کے فہم پر مبنی ہے۔ یہ بہت ہی ستھرا، روشن، واضح اور بین عقیدہ ہے جس میں ابہام یا پیچیدگی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان لوگوں کے برخلاف، جنہوں نے عقیدہ کے سلسلہ میں عقول پر اعتماد کیا، نقول (یعنی قرآن وحدیث) میں من مانی کی، تاویلیں کیں اور مذموم قسم کے علمِ کلام پر اپنے معتقدات کی بناء قائم کردی۔ جبکہ علمِ کلام کے نقصانات سے تو ان لوگوں نے بھی

آگاہ کیا جو ایک عرصہ اس علم کے ساتھ منسلک و مبتلیٰ رہے، بلکہ ایک فضول اور بے مقصد کام میں تضییع اوقات پر نیز حق تک رسائی حاصل نہ ہونے پر ندامت وخجالت کا اظہار کرتے رہے۔ ان کا انجام کار تحیر، سرگردانی اور ندامت کے سوا کچھ نہ ہوتا، البتہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علمِ کلام کے ترک اور طریقۂ سلف کی اتباع کی توفیق دے دی۔ انہوں نے پھر علمِ کلام کی خوب مذمت وشناعت بیان کی۔

ابو حامد الغزالی رحمہ اللہ جو علمِ کلام میں تمکن ورسوخ میں خوب شہرہ رکھتے تھے، لیکن پھر بالآخر انہوں نے علمِ کلام کی مذمت کی اور بہت ڈٹ کر مذمت کی، اور گھر کے بھیدی سے بہتر خبر کون دے سکتا ہے؟ وہ اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' (۹۲،۹۱) میں علمِ کلام کے نقصانات وخطورات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جہاں تک علمِ کلام کے نقصانات کا تعلق ہے تو اس کا کام شکوک وشبہات ابھارنا، عقائد میں ضعف واضمحلال پیدا کرنا اور وہ جزم وقطعیت جو عقیدہ کا اصل لازمہ ہے کو یکسر زائل کر دینا ہے۔ یہ مرض ابتداء ہی سے لاحق ہو جاتا ہے، پھر اتنی پختگی آجاتی ہے کہ رجوع الی الحق کے سلسلہ میں ٹھوس اور قطعی دلیل کا معاملہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے، اس حوالے سے لوگوں کے مختلف ذہنی مستوی دیکھنے میں آتے ہیں۔ علمِ کلام کا ایک نقصان تو یہ ٹھہرا کہ یہ اعتقادِ حق میں ضعف اور شکوک پیدا کرتا ہے، دوسری طرف یہ نقصان بھی ہے کہ یہ مبتدعین کے باطل عقائد کے سینوں میں مضبوطی وپختگی کا باعث بنتا ہے، اس طرح کہ اولاً ان کے دواعی ومحرکات ابھرتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ ان عقائدِ باطلہ پر مصر رہنے کی شدید حرص پیدا ہو جاتی ہے، یہ صرف اس تعصب کی پیداوار ہے جو علمِ کلام کے اصل محور یعنی جدل اور لاحاصل قیل وقال سے جنم لیتا ہے''

امام غزالی مزید فرماتے ہیں:

''جہاں تک علمِ کلام کے فوائد کا تعلق ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حقائق کے منکشف ہونے

اوران کی حقیقی معرفت حاصل ہونے کا فائدہ دیتا ہے،لیکن یہ بات انتہائی بعید اور ناممکن ہے،علمِ کلام اس پاکیزہ مقصد میں ہرگز وفانہیں کرتا، بلکہ غور کریں تو یہ حقائق کے کشف ومعرفت سے زیادہ خبط وضلالت پیدا کرنے کے کردار پر قائم ہے، یہ بات اگر تم کسی محدث سے یا ایسے شخص سے سنو گے جسے تم حشوی کہتے ہو تو شاید تم ان کی مذمت اس گمان پر کرو کہ چونکہ ایک محدث علمِ کلام سے واقف نہیں ہے اور لوگ جس چیز سے واقف نہ ہوں اس کے دشمن ہوتے ہیں،لیکن تم یہ بات اس شخص سے سنو جو علمِ کلام کو جانتا ہے،اوراس کی اصلیت کو پہچان لینے اور درجہ متکلمین کے انتہائی اور آخری مقام پر ٹکریں مارنے کے بعد اس سے ناراضگی اختیار کر کے اسے ٹھکرا دینے کی ٹھان لیتا ہے اور پوری بصیرت کے ساتھ یہ باور کر لیتا ہے کہ علمِ کلام کے ذریعہ معرفت کے حقائق کا راستہ بالکل بند اور مسدود ہے۔ ہاں علمِ کلام بعض امور کے کشف، ایضاح اور تعریف کا باعث ضرور بنتا ہے،لیکن انتہائی نادر،اور وہ بھی ایسے امور کی جنہیں علمِ کلام میں تعمق کے بغیر بھی سمجھا جاسکتا ہے''

عقیدۂ طحاویہ کے شارح نے غزالی کے علمِ کلام کی مذمت پر مشتمل اس تبصرے اور دیگر تبصروں کو نقل کر کے فرمایا ہے (ص ۲۳۸)

''امام غزالی جیسی شخصیت کا علمِ کلام کے بارہ میں یہ تبصرہ انتہائی مکمل اور قاطع حجت ہے''

پھر شارحِ طحاویہ نے بتلایا کہ سلفِ صالحین علمِ کلام کو ناپسندیدہ اور قابلِ مذمت سمجھتے تھے جس کی وجہ یہ ہے کہ علمِ کلام ایسے امور پر مشتمل ہے جو جھوٹ اور مخالفتِ حق پر مبنی ہیں،ان کے یہ امور کتاب وسنت اوران کے اندر موجود علومِ صحیحہ کے مخالف ہیں۔اہلِ کلام ان امور کے حصول کیلئے انتہائی سخت اور دشوار گذار راستوں پر چلتے رہے، پھر ان امور،جن کا نفع انتہائی کم ہے کے اثبات کیلئے طویل اور بے مقصد گفتگو کرتے اور لکھتے رہے۔اب ان کا فلسفہ دبلے پتلے اونٹ کے اس گوشت کی مانند ہے جو پہاڑ کی ایسی چوٹی پر پڑا ہوا ہے جس کا راستہ انتہائی مشکل اور دشوار ہے،

نہ تو راستہ آسان ہے کہ چوٹی تک بآسانی پہنچا جا سکے نہ اونٹ اتنا فربہ ہے کہ اس کے گوشت کے لانے کا کوئی فائدہ ہو۔

اہلِ کلام کے پاس جو چیز سب سے اچھی قرار دی جا سکتی ہے، وہی چیز قرآنِ پاک میں اس سے کہیں بہتر اور خوبصورت تقریر و تفسیر کے ساتھ موجود ہے۔

شارحِ طحاویہ مزید فرماتے ہیں: یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے بابرکت کلام سے تو شفاء، ہدایت اور علم و یقین حاصل نہ ہو، مگر ان لوگوں کی تحریروں سے حاصل ہو جائے جو خود بھی حیران و پریشانی کے اتھاہ سمندر میں ہچکولے کھا رہے ہیں۔ سنو! ہمارا سب کا فرضِ منصبی یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے فرامین کو اصل قرار دے دیں، ان کے معانی پر تدبر و تعقل کریں، ہر شرعی مسئلے کی برہان اور دلیل خواہ عقلِ سلیم سے حاصل ہو یا ایسی نقل سے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی خبر سے ہو اچھی طرح پہچان لیں، پھر اس دلیل کی صحیح دلالت جان لینے کے بعد، لوگوں کے اقوال، جو اس دلیل کے موافق بھی ہو سکتے ہیں اور مخالف بھی، کو اس دلیل پر پیش کیا جائے، اگر ان کی بات رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ خبر کے موافق ہو تو قبول کر لی جائے، مخالف ہے تو رد کر دی جائے۔

شارحِ طحاویہ (ص ۲۴۲) میں مزید فرماتے ہیں: ابن رشد الحفید، جو کہ فلاسفہ کے مذہب و مقالات کو سب سے بڑھکر جاننے والا تھا اپنی کتاب ''تھافت التھافت'' میں لکھتا ہے: (فلاسفہ و متکلمین میں سے) کسی نے الٰہیات (عقائد) کے بارہ میں کوئی قابلِ اعتبار بات لکھی ہے؟ اسی طرح آمدی جو اپنے دور کی بڑی شخصیت شمار ہوتا تھا بڑے بڑے مسائل میں مجسمۂ حیرت بنے کھڑا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ، ساری عمر فلسفہ و کلام میں منسلک رہنے کے بعد آخری عمر میں بہت سے مسائلِ کلامیہ میں توقف و تحیر کی تصویر بنے دکھائی دیتے اور بالآخر ان طرق سے تائب ہو کر رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر ہمہ تن متوجہ ہو گئے اور پھر اسی سلسلۂ مبارکہ میں تا حیات

مشتغل رہے حتی کہ انتقال کے وقت بھی صحیح بخاری ان کے سینے پر تھی۔

اسی طرح امام ابوعبداللہ محمد بن عمر الرازی اپنی اقسام اللذات کے موضوع پر تحریر کردہ کتاب میں یہ اشعار لکھنے پر مجبور ہوئے:

ترجمہ: (۱) عقلوں کے ہر اقدام کی انتہاء حیرت اور بندش ہے جبکہ عقلوں کی بنیاد پر دنیا والوں کی ہر کوشش ناکام و نامراد اور گمراہی ہے۔

(۲) ہماری روحیں ہمارے جسموں سے متوحش و نامانوس ہیں، اور ہماری دنیا کا حاصل محض اذیت و وبال ہے۔

(۳) پوری عمر لمبی لمبی بحثوں سے ہمیں سوائے قیل وقال جمع کرنے کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

(۴) ہم نے کتنی سلطنتیں اور انکے سربراہ دیکھے مگر سب بڑی تیزی سے ہلاکت کا شکار ہو کر گزر گئے۔

(۵) کتنے ہی پہاڑ دیکھے جن کی چوٹیوں کو لوگوں نے سر کیا، اب ان میں سے کوئی نہیں بچا، جبکہ پہاڑ اپنی جگہ اسی طرح قائم ہیں۔

امام رازی مزید فرماتے ہیں: میں نے علم کلام کے طرق اور فلسفی منہج پر بڑا غور وخوض کیا ہوا ہے، لیکن ان میں کسی بیمار کے علاج یا کسی پیاسے کی سیرابی کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، مکمل طور پر درست راستہ وہی ہے جو قرآنِ مجید نے پیش کر دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین پڑھو !:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (طہٰ:۵) ترجمہ: ''جو رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے''

﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾ (فاطر:۱۰)

ترجمہ: ''تمام تر ستھرے کلمات اسکی طرف چڑھتے ہیں''

جبکہ نفی (صفاتِ نقص) کیلئے ان فرامین کو پڑھو!

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ (الشوریٰ:۱۱) ''اس کے مثل کوئی چیز نہیں''

﴿ وَلَا يُحِيطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ:۱۱۰) ترجمہ: ''مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہوسکتا''

آخر میں فرماتے ہیں: میری طرح کا تجربہ جو شخص بھی کرے گا وہ بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے گا جس پر میں پہنچا ہوں (لہذا ان تخرصات میں وقت ضائع کرنے کی بجائے براہ راست کتاب وسنت کو دل وجان کی بہار وقرار بنالو)

شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبدالکریم الشہرستانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے فلاسفہ ومتکلمین کے پاس حیرت وندامت کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ ان کے دو شعر ملاحظہ کیجئے:

لعمري لقد طفت المعاهد كلها ... وسيرت طرفي بين تلك المعالم

فلم أر الا واضعا كف حائر ... على ذقن أو قارعا سن نادم

ترجمہ: قسم سے! میں فلسفہ وکلام کے تمام مدارس کی خاک چھان چکا ہوں، مجھے یہاں پر ہر شخص حیرت وندامت کے بوجھ تلے دبے اپنی ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھا دکھائی دیا۔

ابوالمعالی الجوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دوستو! علمِ کلام سے کسی قسم کا تعلق جوڑنے کی کوشش نہ کرنا، اس علمِ کلام نے مجھے جس مقام پر لاکھڑا کیا ہے اگر مجھے پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں ہرگز اس کے ساتھ منسلک نہ ہوتا۔

موت کے وقت فرمایا: میں بڑے تاریک وعمیق سمندر میں داخل ہوگیا اور مسلمانوں اور ان کے پاکیزہ کلام سے پہلوتھی برتتے ہوئے ایک ایسی وادی میں داخل ہوگیا جس سے مجھے وہ روکتا رہے، اور اب اگر جوینی کے بیٹے کو پروردگار کی رحمت حاصل نہ ہوئی تو لمبی بربادی کے سوا کچھ نہیں..... اور اب میں اپنی موت کے وقت یہ اعلان کررہا ہوں کہ میں اپنی والدہ کے عقیدے پر ہوں، یا یوں کہا: میں نیساپور کی بوڑھوں کے سیدھے سادھے عقیدے پر ہوں۔

شمس الدین خسروشاہی جن کا فخر الدین رازی کے انتہائی خاص شاگردوں میں شمار ہوتا ہے، اپنے ایک دوست سے ملاقات کیلئے گئے، ان سے پوچھا: تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: جو تمام مسلمانوں کا ہے، پوچھا: تمہیں اس عقیدے پر دل کا پورا انشراح اور یقین حاصل ہے؟ دوست نے کہا: بالکل۔ کہا: اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ، اللہ کی قسم! میرا حال یہ ہو چکا ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا عقیدہ اپناؤں! اللہ کی قسم مجھے سمجھ نہیں آرہی کیا عقیدہ اپناؤں، اللہ کی قسم مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا عقیدہ اپناؤں! پھر اس قدر روئے کہ پوری داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔

ابن ابی حدید الفاضل، جو عراق میں اس مکتب سے تعلق کی شہرت رکھتے ہیں فرماتے ہیں:

فیک یا أغلوطة الفکر	حار أمری وانقضی عمری
سافرت فیک العقول فما	ربحت الا أذی السفر
فلحی اللہ الألی زعموا	انک المعروف بالنظر
کذبوا ان الذی ذکروا	خارج عن قوة البشر

ترجمہ: (۱) اے کج فکری (فلسفہ وکلام) تجھ سے تعلق میں پوری عمر کٹ گئی اور حیرت کے سوا کچھ نہ پایا۔

(۲) تیرے حصول کے خاطر عقلوں نے لمبے لمبے سفر کیئے لیکن سفر کی تھکان واذیت کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برباد کردے جن کا خیال ہے کہ تو نظر واستدلال کا حق سکھاتی ہے۔

(۴) جنہوں نے یہ کہا جھوٹ کہا، یہ معاملہ تو انسانی طاقت سے باہر ہے (یہاں تو محض اللہ

تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے اخبار و فرامین کو قبول کرنا ہی موجبِ عافیت ہے)

خونجی نے اپنی موت کے وقت کہا: جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ماحصل یہ ہے کہ ہر ممکن، مرجح کی محتاج ہے..... پھر کہا: محتاج ہونا ایک سلبی وصف ہے..... گویا اب جبکہ میں موت کے منہ میں ہوں، علم و معرفت سے بالکل کورا ہوں۔

علمِ کلام کا ایک اور راہی کہتا ہے: میں اپنے بستر پر لیٹتا ہوں اور لحاف اپنے منہ پر رکھ لیتا ہوں اور مختلف متکلمین کے دلائل میں مقارنہ و مقابلہ شروع کرتا ہوں، فجر طلوع ہو جاتی ہے اور میں کسی نتیجے تک نہیں پہنچ پاتا۔

(شارحِ طحاویہ مزید فرماتے ہیں) اب فلاسفہ و متکلمین کو دیکھو کہ اس قوم کا ایک شخص اپنی موت کے وقت نیساپور کے بوڑھیوں کے مذہب اور عقیدے کو اپنانے کا اعلان کر رہا ہے، گویا وہ موشگافیاں جنہیں ''دقائقِ علم'' کا نام دیا جاتا تھا، جو بوڑھیوں کے عقیدے کے سراسر خلاف تھیں اور بحث و تمحیص کے بعد جنکی صحت کا قطعی فیصلہ کر لیا جاتا لیکن پھر ان کا فاسد ہونا ثابت ہو جاتا، یا ان کا صحیح ہونا کبھی ثابت نہ ہو پاتا، آج ان سب کو ٹھکرا چکے ہیں، اور اس عذاب سے بچ نکل کر کس مقام پر کھڑے ہیں؟ ایسے مقام پر جہاں سچے اہل علم کے پیروکار چھوٹے چھوٹے بچے، عورتیں اور اعرابی پہلے سے موجود ہیں۔ (گویا فلسفہ و کلام کی انتہاء جس مقام پر ہو رہی ہے وہاں سے خالص عقیدۂ شرعیہ کی ابتداء ہو رہی ہے)

امام الحرمین کے والد، ابو محمد الجوینی (علمِ کلام سے اشتغال کی بناء پر) اللہ عزوجل کی صفات کے بارہ میں ایک عرصہ حیرت و اضطراب کا شکار رہے پھر بالآخر سلفِ صالحین کا مذہب اپنا لیا اور اس تعلق سے اپنے اشعری اساتذہ کو خیر خواہی کا خط بھی لکھا جو ''مجموعة الرسائل المنيرية'' (۱/۱۷۴، ۱۸۷) میں شائع ہو چکا ہے۔

الفائدة الثامنة

هل صحيح أن أكثر المسلمين في هذا العصر أشاعرة؟ .

آٹھواں فائدہ:

کیا یہ بات درست ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت اشعری مذہب پر قائم ہے؟

واضح ہو کہ اشعری مذہب کے حاملین، ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہیں، جن کا نام علی بن اسماعیل تھا، جن کا ۳۳۰ھ میں انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

عقیدہ کے سلسلہ میں ان پر تین دور آئے۔

پہلا دور وہ جس میں وہ عقیدۂ معتزلہ کے مذہب پر تھے۔ دوسرا دور وہ شمار ہوتا ہے جس میں وہ معتزلہ اور اھل السنۃ کے مذہب کے بین بین عقیدہ رکھتے تھے۔ تیسرا اور آخری دور وہ شمار ہوتا ہے جس میں وہ اہل السنۃ سلفِ صالحین کے عقیدۂ صافیہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''الابـــانة'' جو ان کی آخری کتاب شمار ہوتی ہے اور اگر بالکل آخری نہیں تو کم از کم آخری کتابوں کی فہرست میں ضرور ہے، میں صراحت سے لکھا ہے کہ وہ عقیدہ میں امام اھل السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں، جو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے نیز رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے جو اسماء وصفات ثابت کی ہیں ان تمام کو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے بالکل ویسے ثابت کیا جائے جیسے اس ذات کے لائق ہیں..... بغیر کسی تکییف یا تمثیل کے اور بغیر کسی تحریف وتاویل کے..... جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ: ''اس کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے''

اب امام ابوالحسن الاشعری تو اپنے سابقہ عقیدے سے رجوع کر کے عقیدۂ اھل السنۃ والجماعۃ

اختیار کر چکے، مگر اشاعرہ ان کے اسی سابقہ عقیدے کو تھامے ہوئے ہیں۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تمام جماعتوں میں اشاعرہ کی تعداد ۹۵٪ ہے..... لیکن یہ بات درست نہیں، اور اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ اس طرح کے اعداد و شمار کا تعین ایک انتہائی دقیق قسم کے احصائیہ کی متقاضی ہے، اور ایسا بالکل نہیں ہو سکا، اور معاملہ خالی دعویٰ کی حد تک ہے۔

(۲) ۹۵٪ فیصد تعداد کی اس نسبت کو اگر تسلیم بھی کر لیں تو یہ مذہب اشاعرہ کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہوگی؛ کیونکہ عقیدہ کی صحت و سلامتی کی دلیل کثرتِ تعداد نہیں ہوتی، بلکہ صحت و سلامتی عقیدہ کی دلیل تو اس امت کے سلفِ صالحین یعنی صحابہ کرام اور ان کے پاکیزہ و مبارک منہج کی اتباع ہے۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں فوت ہونے والے شخص کا عقیدہ، جس سے وہ رجوع بھی کر چکا ہے کیسے قابلِ اتباع ہو سکتا ہے؟ اور عقیدے کا معاملہ تو دین میں سب سے اہم ہے، پھر اس انتہائی اہم معاملہ میں حق صحابہ کرام، تابعینِ عظام و تبع تابعین سے کیسے مخفی و محجوب رہا اور ایک ایسی شخصیت پر ظاہر ہو گیا جس کی ولادت بھی خیر القرون کے گزرنے کے لمبے عرصے بعد ہوئی! اس بات میں کوئی معقولیت ہے!

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اشاعرہ کا مذہب تو وہ لوگ اختیار کیئے ہوئے ہیں جنہوں نے یہ عقیدہ اشاعرہ کے علمی مراکز میں یا پھر اشعری مذہب کے حامل مشائخ سے سیکھا، جبکہ عوام الناس اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اشعری مذہب کے بارہ میں کچھ نہیں جانتے، بلکہ وہ تو اس فطرت پر قائم ہیں جس پر اس لونڈی کا عقیدہ تھا، جو صحیح مسلم کی روایت میں ذکر ہو چکا اور الحمد اللہ اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے عین مطابق ہے، اس کی کچھ وضاحت فائدہ نمبر ۳ میں ہو چکی ہے۔

الفائدة التاسعة

١ عقيدة الأئمة الأربعة ومن تفقه بمذاهبهم .

نواں فائدہ:

أئمہ اربعہ اوران کے مذاہب کے فقہاء کا عقیدہ

اھل السنۃ کے ائمہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ کے (اسماءِ گرامی بطورِ خاص ذکر کیئے جاتے ہیں) ان تمام أئمہ کرام کا عقیدہ وہی تھا جو صحابہ کرام کا اوران کے منہج پر چلنے والے ان کے اتباع کا تھا۔

ان أئمہ کے بعد فقہ کی باگ ڈور سنبھالنے والے علماء وفقہاء کے مختلف ذہن سامنے آتے ہیں، کچھ وہ علماء ہیں جو فروعی مسائل میں ان أئمہ کے علم سے استفادہ تو کرتے ہیں لیکن ان کا اصل اعتماد دلیل پر ہوتا ہے، چنانچہ ان کے امام کا جو قول کتاب وسنت کے مطابق ہوتا ہے اسے لے لیتے اور جو قول کتاب وسنت کی دلیل کے خلاف ہوتا ہے اسے چھوڑ دینے کے منہج پر قائم ہیں، ان کا مستند یہ ہے کہ ہمارے اماموں نے یہی وصیت کی ہے (یعنی ہم کوئی بات کہیں اور کتاب وسنت کی دلیل اس کے خلاف ہو تو ہمارے قول کو دیوار سے دے مارو) ان فقہاءِ کرام نے عقیدہ کے مسائل میں بھی اپنے اپنے أئمہ کے منہج سے پوری پوری موافقت کی ..... کچھ ایسے حضرات بھی آئے جنہوں نے فروعی مسائل میں اپنے اماموں کی پوری طرح تقلید کی اوران مسائل کے سلسلہ میں قولِ راجح اوراس کی دلیل معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

اس طبقہ کے علماء وفقہاء میں سے گو بعض علماء نے عقیدہ کے مسائل میں بھی اپنے اماموں کی اتباع کی لیکن بہت سے علماء نے ان مسائل میں اشعری مذہب کی اتباع کر لی (یعنی فروعی مسائل میں اپنے امام کی تقلید میں اتنی شدت کہ گویا وہ معصوم ہیں، بلکہ بعض اوقات انکے قول کو قبول کر لیا اوراس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے فرمان کی پروانہ کرتے ہوئے اسے

ٹھکرا دیا اور پسِ پشت ڈال دیا، لیکن جب اعتقادی مسائل کا معاملہ آیا جو فروعی مسائل سے کہیں اہم ہیں تو ان میں اپنے اس امام کو بھی چھوڑ دیا اور اشاعرہ کے مذہب سے منسلک ہو گئے۔)

پہلی قسم میں ہم مثال کے طور پر امام ابو جعفر الطحاوی کا نام پیش کرتے ہیں، جن کا تفقہ تو مذہبِ حنفی پر ہے لیکن عقیدۃً کے اعتبار سے سلفِ صالحین صحابہ کرام کے منہج پر قائم ہیں، چنانچہ انہوں نے ''العقیدۃ الطحاویۃ'' کے نام سے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ پر مشتمل کتاب بھی لکھی ہے، اسی طرح اس کتاب کے شارح علی بن ابی العز الحنفی کا نام بھی بطورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے، جو فقہی اعتبار سے حنفی تھے لیکن عقیدۃً سلفی تھے۔

مذہبِ شافعی میں عبد الرحمٰن بن اسماعیل الصابونی صاحبِ کتاب ''عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث''، امام ذہبی صاحبِ کتاب ''العلو'' اور ابن کثیر صاحبِ تفسیر کا نام بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

مذہبِ مالکی میں ابن ابی زید القیروانی، ابو عمر الطلمنکی اور ابو عمر بن عبد البر کے نام، جبکہ مذہبِ حنبلی میں امام ابن تیمیہ، امام ابن القیم اور امام محمد بن عبد الوہاب رحمہم اللہ کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الصواعق المرسلۃ علی الجہمیۃ والمعطلۃ'' میں ان لوگوں کے رد میں جو اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کے عقیدہ میں استواء کا معنی استیلاء کرتے ہیں (۴۲) وجوہات ذکر فرمائی ہیں (''مختصر الصواعق المرسلۃ'' لابن الموصلی بھی ملاحظہ کر لیجئے)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ بہت سے مالکی علماء عقیدہ میں مذہبِ سلف پر قائم تھے، چنانچہ کتابِ مذکور میں ان ۴۲ وجوہات کے ذکر کے ضمن میں فرماتے ہیں (۱۳۲/۲، ۱۳۶)

بارہویں وجہ: سلفِ امت کا اس بات پر اجماع قائم ہے کہ اللہ رب العزت اپنے عرش پر حقیقۃً مستوی ہے نہ کہ مجازاً۔ امام ابو عمر الطلمنکی جو مالکی مذہب کے ائمہ میں سے ہیں اور

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر کے شیخ ہیں اپنی عظیم الشان کتاب ''الوصول الی معرفة الأصول'' میں فرماتے ہیں: اہل السنۃ کا اس عقیدہ پر اجماع قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مجازاً نہیں بلکہ حقیقۃً مستوی ہے..... اس بات پر انہوں نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور تبع تابعین اور پھر امام مالک اور ان کے بہت سے اصحاب وتلامذہ کے اقوال پیش کیئے ہیں، جو شخص بھی ان اقوال کو پڑھے گا وہ مذہبِ سلف کی حقیقت پالے گا۔

تیرھویں وجہ: امام ابوعمر ابن عبدالبر اپنی کتاب ''التمهید'' میں حدیثِ نزول کی شرح میں فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے ''الجماعة'' کا یہی قول اور تقریر ہے..... مزید فرماتے ہیں: اہل السنۃ، قرآن وحدیث میں وارد اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے اقرار پر متفق ہیں نیز ان صفات پر ایمان لانے، اور انہیں ان کی حقیقت پر محمول کرنے (نہ کہ مجاز پر) پر متفق ہیں، البتہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تکییف یا تحدید کے قائل نہیں ہیں۔ جبکہ بدعتی گروہ مثلاً: جہمیہ، معتزلہ اور خوارج سب کے سب صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو حقیقت پر محمول نہیں کرتے، بلکہ ان صفات کا اقرار کرنے والے کو مشبہ ہونے کا الزام دیتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ خود صفاتِ باری تعالیٰ کا اقرار کرنے والے اہل السنۃ کے نزدیک معبودِ حق کی نفی وانکار کرنے والے قرار پاتے ہیں۔

ابوعبداللہ القرطبی اپنی معرکۃ الآراء تفسیر میں قولہ تعالیٰ: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں فقہاء نے کلام کیا ہے۔ اس کے بعد متکلمین کے اقوال نقل فرماتے ہیں۔ پھر فرمایا: سلفِ امت کی پہلی جماعت (صحابۂ کرام) اللہ تعالیٰ کی جہت کی نفی کے قائل نہیں تھے (جہتِ علو مراد ہے) نہ ہی انہوں نے کبھی نفی جہت کی بات کی..... بلکہ ان تمام نے اللہ تعالیٰ کیلئے جہت کے ثابت ہونے کی بات کی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی

کتاب میں ذکر فرمایا، اور جس کی اللہ تعالیٰ کے رسل نے بھی خبر دی۔ اور سلفِ صالحین میں بھی اس بات کا کوئی منکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ علی سبیل الحقیقۃ اپنے عرش پر مستوی ہے..... بس وہ جس چیز سے نا آشنا تھے وہ استواء علی العرش کی کیفیت ہے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، لیکن مستوی ہونے کی کیفیت نا معلوم ہے۔

چودھویں وجہ : جب جہمیہ نے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کو مجاز پر محمول کیا، تو اھل السنۃ نے ببانگِ دہل اس حقیقت کا اعلان و اظہار کیا کہ اللہ رب العزت اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش پر مستوی ہے، اور سب سے زیادہ شدومد کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنے والے علماءِ مالکیہ تھے، چنانچہ علماءِ مالکیہ میں سے ابومحمد بن ابی زید نے اپنی تین کتابوں میں اس مسئلہ کی صراحت کی۔ سب سے مشہور کتاب ''الرسالۃ'' ہے پھر ان کی کتاب ''جامع النوادر'' اور ''الآداب'' ہیں، اگر کوئی دیکھنا چاہے تو ان کی یہ کتب موجود ہیں۔ نیز قاضی عبدالوہاب نے بھی اس حقیقتِ باصواب کی وضاحت کی، وہ فرماتے ہیں..... اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش پر مستوی ہے..... نیز قاضی ابوبکر الباقلانی جو مالکی المذہب تھے نے بھی اس حقیقت کو واضح فرمایا، ان کا قول قاضی عبدالوہاب نے نصاً نقل فرمایا ہے، نیز مالکی مذہب کے بہت بڑے امام ابوعبداللہ القرطبی اپنی کتاب'' شرح اسماء اللہ الحسنی ''میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ابوبکر الحضرمی نے محمد بن جریر الطبری، ابومحمد بن ابی زید اور فقہ وحدیث کے بہت سے شیوخ کا یہی قول نقل فرمایا ہے، جبکہ قاضی عبدالوہاب نے قاضی ابوبکر اور ابوالحسن الأشعری سے جو کچھ بھی نقل فرمایا اس کا ظاہر بھی یہی ہے، بلکہ قاضی عبدالوہاب نے قاضی ابوبکر کا یہ قول نصاً ذکر کیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش پر مستوی ہے'' اور بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے: کہ ''وہ ذاتِ حق اپنی پوری خلق کے اوپر ہے۔''

پھر فرمایا: یہ قول قاضی ابوبکر کا ''تمہید الأوائل'' میں ہے اور یہی قول ابوعمر بن عبدالبر اور

الطلمنکی ودیگر اندلسی (مالکی) علماء کا ہے اور یہی خطابی کا قول ہے۔

ابوبکر محمد بن موھب المالکی رسالۂ ابن ابی زید کی شرح میں فرماتے ہیں: مؤلف (یعنی ابن ابی زید) کا یہ فرمانا کہ ''انہ فوق عرشہ المجید ''یعنی ''اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش عظیم پر ہے''، تو واضح ہو کہ ''فوق ''اور ''علی '' کا تمام عرب کے نزدیک ایک ہی معنی ہے، اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں بھی اس معنی کی تصدیق موجود ہے، پھر بطورِ تمثیل کتاب وسنت کے بعض نصوص کا حوالہ دیا، نیز لونڈی کی حدیث سے بھی استدلال کیا، جس سے نبی ﷺ نے پوچھا تھا [این اللہ؟] اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: [فی السماء] آسمان پر ہے، اس بات پر نبی ﷺ نے اس لونڈی کے مؤمنہ ہونے کی گواہی دی۔ اس کے بعد انہوں نے نبی ﷺ کے معراج پر جانے کی حدیث سے بھی استدلال کیا۔ پھر فرمایا: یہی قول امام مالک کا ہے جسے انہوں نے تابعین کی ایک جماعت سے سمجھا، جسے تابعین نے صحابہ کرام سے سمجھا، اور جسے صحابہ کرام نے اپنے نبی ﷺ سے سمجھا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ''فی السماء '' آسمانوں میں ہونے کا معنی آسمان کے اوپر ہونا ہے..... شیخ ابومحمد فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش پر ہے'' اس قول سے واضح ہوا کہ اللہ رب العزت کا عرش کے اوپر ہونے کا معنی یہی ہے کہ وہ بذاتہ عرش پر ہے البتہ وہ اپنی خلق سے بالکل بائن (جدا) ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ اور اس کا کائنات میں ہر مقام پر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ ہر مقام پر ہے نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ، پھر یہ جگہیں اور مقامات اسے گھیر بھی نہیں سکتیں کیونکہ وہ سب سے بڑا ہے۔

ابوبکر محمد بن موھب المالکی مزید فرماتے ہیں: مؤلف رحمہ اللہ کا فرمانا: ''علی العرش استوی ''یعنی ''وہ عرش پر مستوی ہے'' کا معنی اھل السنۃ کے نزدیک محض استیلاء یعنی غلبہ پانا یا قاہر و مالک ہونا نہیں ہے، یہ تو معتزلہ اور ان کے ہمنواؤں کی تفسیر ہے، اور بعض لوگ استواء مانتے ہیں لیکن علی سبیل المجاز نہ کہ علی سبیل الحقیقۃ۔ پھر فرماتے ہیں: تھوڑی سے عقل وبصیرت رکھنے والا

شخص بھی ان کے استواء علی العرش کا استیلاء وغلبہ کے معنی کے فساد کو سمجھ سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی پوری مخلوق پر غالب ومستوی ہے، پھر خاص طور پر عرش پر غالب ہونے کا کیا معنی؟ اگر استواء علی العرش کا معنی صرف غلبہ اور استیلاء ہے تو پھر عرش وغیر عرش برابر ہوں گے۔ چنانچہ استواء علی العرش جو ان کی تاویلِ فاسد میں استیلاء، ملک، غلبہ اور قہر کے معنی میں ہے کے ذکر کا کوئی معنی نہیں بنتا (کیونکہ استیلاء، غلبہ، قہر اور ملک تو اس ذاتِ برحق کو اپنی پوری مخلوقات پر حاصل ہے) اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللهِ قِيلًا ﴾ ترجمہ: (بات میں اللہ تعالیٰ سے سچا کون ہوسکتا ہے؟) پر بھی اگر غور کریں تو یہ بات آشکارا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا برسبیلِ حقیقت ہے، مجاز نہیں۔ چنانچہ بنظرِ انصاف دیکھنے والے سوچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے ذکر کے بعد فرمایا کہ وہ عرش پر مستوی ہوگیا، تو اگر مستوی ہونے کا معنی غلبہ حاصل کرنا ہے تو کیا اسے آسمانوں اور زمینوں کا غلبہ حاصل نہیں ہے! پھر استواء علی العرش کی تخصیص چہ معنی دارد؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان سب سے سچا ہے، لہذا ہم اس کے مستوی علی العرش ہونے کو مجاز پر نہیں بلکہ حقیقت پر محمول کرتے ہیں، البتہ استواء کی تکییف اور تمثیل سے توقف اختیار کرتے ہیں، یعنی نہ تو اس ذاتِ حق کے استواء کی کیفیت بیان کرسکتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ نے بیان ہی نہیں فرمائی، اور نہ ہی حق تعالیٰ کے استواء کو کسی مخلوق کے استواء سے تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ اس کا فرمان ہے: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں''

پندرہویں وجہ: ابوالحسن الأشعری نے خود استواء کے بمعنی استیلاء ہونے کے باطل ہونے پر اہل السنۃ کا اجماع نقل کیا ہے، ہم بعینہ انہی کی عبارت تحریر کیئے دیتے ہیں جسے ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی کتاب'' تبیین کذب المفتری ''میں ان کے حوالے سے بیان کیا ہے، بلکہ ان سے قبل ابوبکر بن فورک بھی ان سے اسی عبارت کو نقل کرچکے ہیں جو کہ ان کی کتب میں موجود ہے، فرماتے ہیں کہ ابوالحسن الأشعری اپنی کتاب ''الابانة'' جو کہ ان کی آخری کتاب ہے

میں فرماتے ہیں: ''باب ذکر الاستواء'' یعنی اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا بیان (اس باب کے تحت لکھتے ہیں) اگر کوئی شخص پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کے باب میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ ہم کہیں گے: بالکل وہی جو قرآنِ مجید نے بیان کر دیا ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ کہ ''وہ رحمٰن اپنے عرش پر مستوی ہے'' (اس کے بعد استواء علی العرش کے مزید ادلہ بیان کیں)

پھر فرمایا: معتزلہ، جہمیہ اور خوارج کہتے ہیں کہ استواء سے مراد استیلاء یعنی غلبہ پانا اور مالک ہونا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کو تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ اہلِ حق تسلیم کرتے ہیں، لہذا استواء علی العرش کا معنی عرش پر قدرت پانا کرتے ہیں۔ اگر یہ بات درست مان لیں تو پھر عرش اور سب سے نچلی ساتویں زمین میں کیا فرق ہے؟ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے اور آسمان، زمین اور ہر چیز اس عالَم کا حصہ ہیں۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا معنی غلبہ اور قدرت پانے کا ہے، تو پھر اسے زمین اور زمین پر موجود ہر گندگی کے ڈھیر پر بھی مستوی مان لو، کیونکہ قدرت تو اسے ہر چیز پر حاصل ہے، کیا کسی مسلمان کو کسی نے یہ کہتے ہوئے کبھی سنا کہ اللہ تعالیٰ حشوش وأخلیہ (یعنی بیت الخلاء اور گندگی کے ڈھیروں) پر مستوی ہے؟ تو پھر استواء علی العرش جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے اسے ایک ایسے معنی پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے جو معنی ہر چیز میں عمومیت کے ساتھ موجود ہے؟

لہذا یہ بات حتمیت کے ساتھ متعین ہو گئی کہ اس ذاتِ حق کے عرش پر مستوی ہونے کا ایک خاص معنی ہے جو دیگر کسی شئی میں نہیں پایا جاتا۔

الفائدة العاشرة

التأليف في العقيدة على منهج السلف.

دسواں **فائدہ**:

عقیدے کے موضوع پر سلفی منہج کے
مطابق تصنیف کردہ کتب کا بیان

عقیدہ کے موضوع پر سلفی منہج کی حامل بے شمار کتب ہیں کچھ مؤلفات تو مستقل ہیں جو بطورِ خاص عقیدے کے موضوع پر لکھی گئیں، جبکہ کچھ کتب ایسی ہیں جو عقائد کے ساتھ ساتھ دیگر مسائل پر بھی مشتمل ہیں، جو کتب عقائد کے ساتھ ساتھ دیگر مسائل پر بھی مشتمل ہیں ان میں ہم بطورِ مثال: صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ ذکر کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کا پہلا عنوان کتاب الایمان ہے اور آخری کتاب التوحید ہے، اثناءِ کتاب میں عقیدے کے تعلق سے اور عنوانات بھی ہیں مثلاً: كتاب القدر، كتاب الانبياء اور كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة وغیرہ۔

صحیح مسلم کا بھی پہلا عنوان کتاب الایمان ہے نیز کتاب القدر کا عنوان بھی موجود ہے، اسی طرح سننِ اربعہ میں بھی عقیدہ کے تعلق سے کتاب الایمان کے نام سے عنوانات موجود ہے، جبکہ سنن ابوداؤد میں اس حوالہ سے کتاب السنۃ کے نام سے عنوان قائم کیا گیا ہے.....

جو کتب کاملاً و مستقلاً عقیدہ کے موضوع پر تالیف کی گئیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ کتب جو متقدمین کے طریقہ پر ہیں اور دوسری وہ کتب جو متاخرین کے طرزِ تالیف پر مشتمل ہیں۔

متقدمین کے طرز پر لکھی گئی کتب سے مراد وہ کتب ہیں جو موضوع سے متعلق احادیث و آثار سند کے ساتھ پیش کر دیتی ہیں، متقدمین میں عقیدے سے متعلق لکھی گئی کتب کئی ناموں سے سامنے آتی ہیں، مثلاً: ''كتاب الايمان''، ''كتاب السنة''، ''كتاب الرد على

الجهمية'' وغیرہ۔

کتاب ''الایمان'' کے نام سے لکھی گئی کتب میں ''الایمان لأبی بکر ابن أبی شیبة''، اور ''الایمان لابی عبید القاسم بن سلام'' اور ''الایمان لابن ابی عمر العدنی'' اور ''الایمان لابن منده'' وغیرہ معروف نام ہیں۔

جبکہ ''السنة'' کے نام سے عقیدہ کے موضوع پر لکھنے والوں میں محمد بن نصر المروزی، ابی عاصم، عبداللہ بن امام احمد، لالکائی، خلال اور ابن شاہین وغیرہ معروف ہیں، اس کے علاوہ ابن ابی زمنین نے ''اصول السنة'' لکھی، مزنی اور بربہاری نے ''شرح السنة'' جبکہ ابن البنا نے ''المختار فی اصول السنة'' کے نام سے کتاب لکھی۔

''الرد علی الجهمية'' کے نام سے امام احمد، عثمان بن سعید الدارمی اور ابن مندہ کی کتب موجود ہیں۔

عقیدے کے موضوع پر علماءِ متقدمین کی دیگر ناموں سے بہت سی کتب موجود ہیں، مثلاً: حافظ ابنِ خزیمہ کی ''کتاب التوحید''، اور ابنِ مندہ کی ''کتاب التوحید''، آجری کی کتاب ''الشریعة''، اسماعیل الاصبہانی کی ''الحجة فی بیان المحجة''، صابونی کی ''عقیدة السلف واصحاب الحدیث'' امام بخاری کی ''خلق افعال العباد''، ابن ابی شیبہ کی کتاب ''العرش''، فریابی کی کتاب ''القدر''، ابوالشیخ کی کتاب ''العظمة''، امام دارقطنی کی کتاب ''الرؤیة''، ''النزول'' اور ''الصفات''، محمد بن نصر المروزی کی ''تعظیم قدر الصلاة''، ابوداؤد کی ''البعث والنشور''، ابونعیم کی ''صفة الجنة والنار'' اور ''الرد علی الرافضة''، ہروی کی ''ذم الکلام وأهله'' اور ابنِ بطہ کی ''الابانة الکبری'' وغیرہ۔

متقدمین ومتاخرین کی کچھ کتب ایسی بھی ہیں جو اسانید کو ذکر کیئے بغیر انتہائی اختصار کے ساتھ عقیدہ کے مسائل بیان کرنے پر اکتفاء کرتی ہیں، ان میں امام احمد بن حنبل کی کتاب ''السنة''،

امام طحاوی کی ''عقیدة أهل السنة والجماعة''، ابن ابی زید کا مقدمہ، ابن جریر الطبری کی ''صریح السنة'' ابوبکر اسماعیلی کی ''اعتقاد أهل السنة'' ابن بطہ کی ''الابانة الصغری''، ابوالحسن الأشعری کی ''الابانة''، عبدالغنی کی ''عقیدة الحافظ'' ابن قدامۃ المقدسی کی ''لمعة الاعتقاد'' اور ''العلو''، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ''عقیدة الواسطية''، ''التدمرية'' اور ''الحموية'' معروف ہیں۔

متاخرین کے طریقہ پر تالیف سے مراد یہ ہے کہ ہر موضوع الگ سے قائم کر کے اس سے متعلق آیات، احادیث اور آثار ذکر کیئے جائیں اور ساتھ ساتھ مخالفین کے عقیدہ پر رد بھی کر دیا جائے، جب وہ احادیث و آثار کا ذکر کرتے ہیں تو انہیں متقدمین کی کتب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ہر حدیث کو اس کی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں مثلاً: یوں کہتے ہیں: رواہ البخاری، ومسلم، وابوداؤد اور حدیث کی سند ذکر نہیں کرتے (کیونکہ وہ اصل کتاب میں موجود ہوتی ہے)

مثال کے طور پر یحیٰ عمرانی کی کتاب ''الانتصار فی الرد علی المعتزلة القدرية الأشرار'' ابن ابی العز الحنفی کی کتاب ''شرح العقيدة الطحاوية''، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ''منهاج السنة'' انہی کی ''درء تعارض العقل والنقل'' اور ''کتاب الایمان''، امام ذہبی کی کتاب ''العلو''، حافظ ابن القیم کی کتاب ''اجتماع الجيوش الاسلامية'' اور ''الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة'' اور محمد بن الموصلی کی کتاب ''مختصر الصواعق المرسلة'' اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی ''کتاب التوحید'' ان کے پوتے شیخ سلیمان بن عبداللہ کی کتاب ''تيسير العزيز الحميد شرح كتاب التوحيد'' اور ان کے دوسرے پوتے شیخ عبدالرحمٰن بن حسن کی کتاب ''فتح المجيد''، وغیرہ۔ یہ چند کتابوں کے نام ہم نے محض تمثیلاً نقل کیئے ہیں، تمام کتب کا اس مختصر میں احاطہ ممکن نہیں ہے۔

واضح ہو کہ بعض مبتدعین نے کتبِ سنت پر یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ ان کتابوں میں ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

یہ اعتراض مردود ہے، کیونکہ ان محدثین نے تمام احادیث ان کی اسانید کے ساتھ ذکر کی ہیں اسانید ذکر کر کے وہ بری الذمہ ہو گئے، اب اس حدیث پر نظر واستدلال کی ذمہ داری پڑھنے پڑھانے والوں پر عائد ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منهاج السنة'' (۱۵/۴) میں فرمایا ہے کہ محدثین کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر باب میں وہ تمام احادیث ذکر کر دیتے ہیں جو ان کے پاس موجود ہوتی ہیں تا کہ ان تمام احادیث (اور ان کی اسانید) کی پڑھنے والوں کو معرفت حاصل ہو جائے، اور یہ ممکن ہے کہ ان میں سے ان کے نزدیک کچھ احادیث ہی قابلِ استدلال واحتجاج ہوں۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ایک محدث کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ اپنے مشائخ سے جس حدیث کو سنتا ہے اسے اسی طرح بکمالِ امانت روایت کر دے، اب تحقیق، نظر اور استدلال کی ذمہ داری تو پڑھنے والوں پر عائد ہوتی ہے..... اور اہلِ علم فعلاً تمام احایث کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں اور حدیث کی سند اور سند کے ایک ایک روای پر پوری بحث کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر ''لسان الميزان'' (۱۵/۳) میں فرماتے ہیں: گزشتہ ادوار میں سے ۲۰۰ ھجری اور اسکے بعد کے بیشتر محدثین کا طریقہ یہی ہے کہ جب وہ حدیث کو اس کی سند کے ساتھ ذکر کر دیں تو اپنے خیال میں وہ پوری امانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر کے بری الذمہ ہو چکے۔ (واللہ اعلم)

نص مقدمة رسالة ابن أبى زيد القيروانى

باب ما تنطق به الألسنة وتعتقده الأفئدة

من واجب أمور الديانات

من ذلك الايمان با لقلب وا لنطق با للسان أن الله اله واحد لاإله غيره ، ولا شبيه له، ولا نظيرله ، ولا ولد له ، ولا والد له، ولا صا حبة له، ولاشريک له.

ليس لأوليته ابتداء ،ولا لآخريته انقضا ء، لايبلغ كنه صفته ا لواصفوان ، ولا يحيط بأمره ا لمتفكرون، يعتبر ا لمتفكرون بآياته ،ولا يتفكرون فى ما هية ذاته، وَلَايُحِيطُوْنَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ، وَلَايَؤُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِىُّ الْعَظِيْمُ.

العالم الخبير، المدبر القدير، السميع البصير، العلى الكبير، وأنه فوق عرشه المجيدبذاته، وهو فى كل مكان بعلمه.

خلق الانسان ويعلم ما توسوس به نفسه،وهوأقرب إليه من حبل الوريد،وماتسقط من ورقة إلايعلمها ☆ولاحبة فى ظلمات الارض ولارطب ولايابس إلا فى كتاب مبين .

على العرش استوى،وعلى الملک احتوى، وله الأسماء الحسنى والصفات العلى، لم يزل بجميع صفا ته وأسمائه ،تعا لىٰ ان تكون صفاته مخلوقة وأسمائه محد ثة .

كلم موسى بكلا مه الذى هو صفة ذاته لاخلق من خلقه، وتجلى للجبل فصار دكا من جلاله وان القرآن كلام الله ليس بمخلوق فيبيد ولاصفة لمخلوق فيفند .

والايمان بالقدر خيره وشره حلوه ومره، وكل ذلک قد قدر الله ربنا، ومقادير الامور بيده ومصدرها عن قضائه .

علم كل شئ قبل كونه، فجرى على قدره لايكون من عباده قول ولاعمل الاوقد قضاه وسبق علمه به ﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾ .

يضل من يشاء،فيخذله بعدله ، ويهدى من يشاء فيوفقه بفضله ،فكل ميسر بتيسيره الى ماسبق من علمه وقدره،من شقى او سعيد .

تعالىٰ ان يكون فى ملكه مالايريد، أو يكون لاحد عنه غنى، خالقا لكل شئ، ألا هورب العباد ورب اعمالهم ،والمقدر لحركاتهم وآجالهم.

الباعث الرسل إليهم لإقامة الحجة عليهم.

ثم ختم الرسالة والنذارة والنبوة بمحمد نبيه ﷺ ، فجعله آخر المرسلين، بشيرا ونذيرا ،وداعيا إلى الله باذنه وسراجا منيرا ،وأنزل عليه كتابه الحكيم، وشرح به دينه القويم ،وهدى به الصراط المستقيم.

وان الساعة اتية لاريب فيها وان الله يبعث من يموت كما بدأهم يعودون .

وان الله سبحانه وتعالىٰ ضاعف لعباده المؤمنين الحسنات، وصفح لهم بالتوبة عن كبائر السيئات ،وغفر لهم الصغائر باجتناب الكبائر، وجعل من لم يتب من الكبائر صائرا إلى مشيئته ﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ﴾.

ومن عاقبه الله بناره أخرجه منها بايمانه فأدخله به جنته ﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴾ ويخرج منها بشفاعة النبى ﷺ من شفع له من اهل الكبائر من امته .

وأن الله سبحانه قد خلق الجنة فأعدها دار خلود لاوليائه وأكرمهم فيها بالنظر إلى وجهه الكريم ، وهى التى أهبط منها آدم نبيه وخليفته إلى أرضه بماسبق فى سابق علمه .

وخلق النار فأعدها دار خلود لمن كفر به وألحد فى آياته وكتبه ورسله وجعلهم محجوبين عن رؤيته .

وأن الله تبارك وتعالى يجيء يوم القيامة والملك صفا صفاً، لعرض الأمم وحسابها وعقوبتها وثوابها ، وتوضع الموازين لوزن أعمال العباد، فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون، ويؤتون صحائفهم بأعمالهم، فمن أوتى كتابه بيمينه فسوف يحاسب حسابا يسيرا ، ومن أوتى كتابه وراء ظهره فأولئك يصلون سعيرا .

وأن الصراط حق، يجوزه العباد بقدر أعمالهم ، فناجون متفاوتون فى سرعة النجاة عليه من نار جهنم ، وقوم أوبقتهم فيها أعمالهم.

والايمان بحوضِ رسول الله ﷺ ، ترده امته ، لايظمأ من شرب منه ، ويذاد عنه من بدل و غير .

وأن الايمان قول باللسان ، وإخلاص بالقلب، وعمل بالجوارح ،يزيد بزيادة الأعمال، وينقص بنقصها ، فيكون فيها النقص وبها الزيادة ، ولا يكمل قول الايمان إلا بالعمل ، ولاقول وعمل إلا بنية ، ولاقول وعمل ونية إلا بموافقة السنة .

وأنه لايكفر أحد بذنب من أهل القبلة .

وأن الشهداء أحياء عند ربهم يرزقون ، وأرواح أهل السعادة باقية ناعمة

إلى يوم يبعثون ،وأرواح أهل الشقاوة معذبة إلى يوم الدين.

وأن المؤمنين يفتنون فى قبورهم ويسألون ، ﴿ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. ﴾.

وأن على العباد حفظة يكتبون أعمالهم، ولا يسقط شيء من ذلك عن علم ربهم، وأن ملك الموت يقبض الأرواح بإذن ربه.

وأن خير القرون القرن الذين رأوا رسول الله ﷺ وآمنوا به، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم.

وأفضل الصحابة الخلفاء الراشدون المهديون؛ أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم أجمعين.

وأن لا يذكر أحد من صحابة الرسول ﷺ إلا بأحسن ذكر، والإمساك عما شجر بينهم، وأنهم أحق الناس أن يلتمس لهم أحسن المخارج ، ويظن بهم احسن المذاهب.

والطاعة لأئمة المسلمين من ولاة أمورهم وعلمائهم، واتباع السلف الصالح واقتفاء آثارهم، و الاستغفار لهم،وترك المراء والجدال فى الدين، وترك ما احدثه المحدثون .

وصلى الله على سيدنا محمد نبيه، وعلى آله وأزواجه وذريته ،وسلم تسليما كثيرا.

متن کا ترجمہ

یہ باب دین کے ان امور کے بیان میں ہے جن کا اقرار تمام زبانوں پر، اور اعتقاد تمام دلوں پر فرض ہے۔

ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ دل کے ساتھ ایمان، اور زبان کے ساتھ اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ: معبودِ حق ہے، اکیلا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شبیہ اور نظیر نہیں ہے، نہ ہی اس کی اولاد ہے نہ والد، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ ہی کوئی شریک۔

اس کی اولیت کی کوئی ابتداء نہیں، اور اس کی آخریت کی کوئی انتہاء نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے والے اس کی کسی صفت کی ماہیت و کیفیت تک نہیں پہنچ سکتے اور تفکر کرنے والے اس کے کسی امر کا احاطہ نہیں کر سکتے، تفکر کرنے والے اس کی آیات سے نصیحت و عبرت اخذ کرتے ہیں لیکن اس کی ذات کی حقیقت و کیفیت پر غور و خوض اور بحث و تمحیص نہیں کرتے۔ وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

وہ عالم، خبیر، مدبر، قدیر، سمیع، بصیر، بلند اور بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرشِ عظیم پر ہے، جبکہ بعلمہ ہر جگہ موجود ہے۔

اس نے انسان کو پیدا کیا اور وہ انسان کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں انہیں بھی جانتا ہے اور وہ اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصے میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے، مگر یہ سب کتابِ مبین میں ہے۔

وہ عرش پر مستوی ہے اور پوری کائنات پر اسکی حکمرانی، بادشاہت اور قبضہ ہے۔ اس کیلئے

انتہائی پیارے پیارے نام اور بہت ہی اعلیٰ صفات ہیں۔وہ اپنی تمام صفات اور ناموں کے ساتھ ہمیشہ سے ہے، وہ اس بات سے انتہائی بلند اور پاک ہے کہ اس کی کوئی صفت مخلوق ہو یا کوئی نام نیا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ صفتِ ذاتیہ ہے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ (کوہِ طور) پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال سے ریزہ ریزہ ہوگیا، قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے کہ فنا کا شکار ہوجائے، نہ ہی کسی مخلوق کی صفت ہے کہ ختم ہوجائے۔

اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی ہر قسم کی تقدیر پر ایمان لانا (فرض ہے)۔ان تمام چیزوں کو ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا، تمام امور کی مقادیر اس کے ہاتھ میں ہے، جن کا صادر ہونا اس کے فیصلے سے ہے۔

وہ ہر شئ کو وجود میں آنے سے پہلے ہی جانتا ہوتا ہے، اور وہ شئ جب وجود میں آتی ہے تو اس کی تقدیر کے مطابق ہی آتی ہے، بندوں کا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر اور اس کے علمِ سابق کے مطابق ہوتا ہے ﴿کیا وہ ذات علم نہیں رکھتی جس نے پیدا کیا؟ وہ تو باریک بین اور باخبر ہے﴾۔

جسے چاہتا ہے گمراہ کر کے ذلتوں کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے، جو کہ عینِ عدل ہے، اور جسے چاہتا ہے توفیقِ ہدایت سے مشرف فرمادیتا ہے، جو عینِ فضل ہے۔ ہر بد بخت یا نیک بخت، اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور تقدیر کے مطابق اپنی اپنی راہ پر بآسانی چلایا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے کہ اسکی بادشاہت میں کوئی چیز اسکے ارادے کے بغیر یا برخلاف ہو، یا کوئی مخلوق اس سے مستغنی ہو، ہر شئ کا صرف وہی خالق ہے، تمام بندوں اور انکے تمام اعمال کا وہی رب ہے، اور انکی تمام حرکات وآجال کی تقدیر بنانے والا بھی وہی ہے۔

لوگوں پر حجت قائم کرنے کیلئے، ان کی طرف رسول مبعوث فرمانے والا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ رسالت کا اپنے آخری نبی محمد ﷺ پر اختتام فرمادیا، اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام انبیاء ومرسلین میں سے سب سے آخر میں مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کو بشیر ونذیر بنایا، اپنے اذن سے اپنا داعی اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا، آپ ﷺ پر اپنی کتابِ حکیم (قرآن مجید) نازل فرمائی، اور آپ ﷺ کے ذریعے اپنے دینِ متین کی شرح وتفصیل فرمادی، نیز آپ ﷺ کے ذریعے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمادی۔

اور بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ تمام مُردوں کو اٹھائے گا، جیسے انہیں پیدا کیا تھا، ویسے ہی دوبارہ بن جائیں گے۔

اور بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مؤمن اور موحد بندوں کی نیکیوں کو خوب بڑھا دیتا ہے، اور ان کی توبہ کے بسبب ان کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے، اور بڑے گناہوں سے اجتناب کی برکت سے ان کے چھوٹے گناہوں سے درگزر فرمادیتا ہے، اور اگر کوئی موحد بندہ اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ نہ کر پایا ہو تو اس کا معاملہ اپنی مشیت کے تحت فرمالیتا ہے۔ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾ (النساء:۴۸)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے''۔

اور جس (مسلمان) کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کی سزا دے گا اسے جہنم سے بوجہ اس کے ایمان کے نکال دے گا، پھر ایمان کی برکت سے جنت میں داخل کردے گا: ''پس جس نے ایک ذرہ کے بقدر نیکی کی وہ اسے ضرور دیکھے گا'' اللہ تعالیٰ جہنم سے نبی ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت کے بہت سے اہلِ کبائر کو، جس جس کی آپ ﷺ شفاعت کریں گے، نکال دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمادیا ہے، اور اسے اپنے دوستوں کے رہنے کیلئے ہمیشہ کا گھر قرار

دے دیا ہے، اس گھر میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے بابرکت چہرے کے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ یہ جنت وہی گھر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور خلیفہ آدم علیہ السلام کو اتار کر زمین پر بھیج دیا تھا، اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں یہ بات موجود تھی۔

اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی پیدا فرما چکا ہے، اور اسے کفر کرنے والوں اور اپنی آیتوں، کتابوں اور رسولوں میں الحاد پیدا کرنے والوں کا ہمیشہ کا ٹھکانہ قرار دے چکا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔

اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن آئے گا، اور فرشتے بھی قطاروں میں (آئیں گے) تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر پیش کریں، اور اللہ تعالیٰ ان سے سارا حساب لے، اور انہیں عذاب میں جھونکنے یا ثواب عطا فرمانے کے فیصلے فرمائے۔ بندوں کے اعمال کے وزن کیلئے ترازو بھی قائم کر دیئے جائیں گے، پس جن کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، وہ کامیاب قرار پائیں گے۔ اسی طرح لوگوں کو ان کے اعمال کے صحیفے بھی دیئے جائیں گے، پس جسے دائیں ہاتھ میں اس کا صحیفہ تھما دیا گیا، ان کا حساب بہت آسان کر دیا جائے گا، اور جنہیں ان کا صحیفہ پشت کے پیچھے سے دیا گیا، وہ لوگ جلتی آگ کا لقمہ بن جائیں گے۔

(قیامت کے دن) پلِ صراط برحق ہے، جسے بندے اپنے اپنے اعمال کے بقدر عبور کریں گے، کچھ تو نجات پا جائیں گے جو جہنم سے نجات میں تیزی کے اعتبار سے متفاوت ہونگے۔ اور بہت سے لوگوں کو ان کے اعمال ہلاکت کے گڑھے (جہنم) میں پھینک دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر ایمان لانا (فرض ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت وارد ہوگی، جس نے اس حوض سے پانی پی لیا اسے (جنت میں داخلے تک) پیاس نہیں لگے گی، حوضِ کوثر سے اس بدعتی کو دور کر دیا جائے گا جس نے دین میں تبدیل وتغییر کا ارتکاب کیا۔

اور بے شک ایمان زبان کے اقرار، دل کے اخلاص، اور اعضاء کے عمل کا نام ہے، نیکیوں کی

زیادتی سے بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے، ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، ایمان کا قول، عمل کے بغیر پورا نہیں ہوتا، اور قول وعمل دونوں نیت کی درستگی کے بغیر نامکمل ہیں، اور قول، عمل اور نیت تینوں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مطابقت کے بغیر نا قابلِ قبول ہیں۔

اور اہلِ قبلہ میں سے کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہو جاتا۔

شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں، نیک لوگوں کی روحیں قیامت قائم ہونے تک نعمتوں سے متمتع ہوتی رہیں گی، جبکہ بُرے لوگوں کی روحیں قیامت تک مبتلائے عذاب رہیں گی۔

مؤمنین کو ان کی قبروں میں آزمائش اور امتحان کے مرحلے سے گزارا جائے گا۔ ''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے''۔

بندوں پر نگران فرشتے مقرر ہیں، جو ان کے اعمال لکھتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم سے بھی کوئی عمل ساقط نہیں ہوتا (خواہ فرشتے لکھیں یا نہ) اور ملک الموت فرشتہ اللہ کے اذن سے روحیں قبض کرتا ہے۔

اور بے شک سب سے بہترین زمانہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بحالتِ ایمان رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر ان لوگوں کا جو صحابہ کے بعد آئے، پھر ان کے بعد آنے والوں کا۔

صحابہ کرام میں سے سب سے افضل خلفاءِ راشدین ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں، وہ ابوبکر صدیق پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنھم اجمعین ہیں۔

ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابی کو اچھے ذکر سے یاد کیا جائے، ان کے آپس کے مشاجرات واختلافات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے، وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ (ان کے مشاجرات میں) ان کیلئے بہتر مخرج تلاش کیا جائے، اور ان کے بارہ میں سب سے اچھا گمان

قائم کیا جائے۔

اور (اہل السنۃ) مسلمانوں کے حکام اور علماءِ کرام کی اطاعت بھی (ضروری قرار دیتے ہیں)۔ سلف صالحین کی اتباع، ان کے نقشِ قدم کی پیروی اور ان کیلئے استغفار کرتے رہنا (اہل السنۃ کے معتقدات میں شامل ہے)۔ (اہل السنۃ کے منہج میں یہ بات بھی شامل ہے کہ) دین میں جھگڑنے سے یکسر گریز کی جائے۔ اہلِ بدعت نے، دین میں جو اضافے کیے ہیں، انہیں کلی طور پہ ترک کر دینا (بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج میں شامل ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار، نبی پاک محمد ﷺ پر، آپ کی آل، ازواجِ مطہرات اور ذریات پر رحمتیں اور بہت زیادہ سلامتیاں نازل فرمائے۔ (آمین)